سازش کا دماغ
اشتیاق احمد

محمود • فاروق • فرزانہ
اور — انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۳۸۰

سازش کا دماغ

اشتیاق احمد

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام ناول ——— سازش کا دماغ

طابع ——— اشتیاق احمد

خوش نویس ——— سعید نامدار

سرورق ——— محمد مقصود عنید

قانونی مشیر ——— شمیم احمد ایڈووکیٹ

مطبع ——— افضل شریف پرنٹرز

قیمت ——— ۱۸ روپے

سالانہ قیمت ایک ناول — ۲۵۰ روپے

سالانہ قیمت دو ناول — ۴۵۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں — لاہور

فون نمبر: 321537

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم دُعا میں یہ فرماتے تھے، رب اعنی اخیر تک، یعنی اے میرے مالک مدد کر اور میرے مقابل کی مدد مت کر اور میری تائید کر اور میرے مقابل کی تائید مت کر اور میرے لیے مکر کر دے (اللہ تعالیٰ کا مکر یہ ہے کہ دُشمنوں پر بلا ڈالنا) اور میرے خلاف میں مت مکر کر اور مجھ کو ہدایت کر اور آسان کر ہدایت کو میرے لیے اور میری مدد کر اس شخص کے مُقابلہ میں جو مجھ پر ظلم کرے، اے مالک مُجھ کو اپنا شکر کرنے والا بنا اور اپنا یاد کرنے والا اور اپنے سے ڈرنے والا اور اپنا تابع فرمان، اپنی طرف گڑگڑانے والا، رونے والا، رجوع کرنے والا، اے مالک قبُول کر میری توبہ اور دُھو ڈال میرا گناہ اور قبول کر میری دُعا اور راہ بتلا میرے دل کو اور مضبوط کر دے میری زبان کو اور درست کر دے میری دلیل

کو اور نکال ڈال بغض میرے دل سے۔ ابوالحسن طنافسی نے کہا، مَیں نے وکیع سے کہا، کیا مَیں یہ دُعا وتر کی قنوت میں پڑھوں، انھوں نے کہا، ہاں —

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۰۷، حدیث نمبر ۷۲۰

○

حضرت حازم بن حرملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے سے گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے حازم! لاحول ولا قوۃ الا باللہ بہت کہا کر، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ہے۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۰۶، حدیث نمبر ۷۱۶

○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جو شخص اللہ تعالیٰ سے دُعا نہ کرے تو اللہ اُس پر غصے ہوتا ہے۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۰۶، حدیث نمبر ۷۱۷

دو باتیں

السلام علیکم!

"سازش کا دماغ" قبول فرمائیے۔ شاید یہ آپ کے لیے پہلا موقع ہو گا کہ مَیں آپ کو سازش کا دماغ پیش کر رہا ہوں اور آپ خوش دلی سے اس کو قبول کر رہے ہیں۔ ویسے سازش کا دماغ وصول کرنا کچھ کم دل گُردے کا کام نہیں ہوتا۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں، دماغ کی سازش وصول کرنا بھی خالہ جی کا گھر نہیں ہوتا۔ ثابت ہوا، آپ دل گُردوں کے بھی مالک ہیں اور خالہ جی کے گھروں کے بھی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ میرے پڑھنے والے کوئی غریب لوگ نہیں ہیں، بہت مال دار ہیں۔ سچ ہے، جو دل کے مال دار ہوتے ہیں، وُہی تو اصل مال دار ہوتے ہیں۔ اور اگر دل کے

ساتھ ساتھ وہ گُردوں کے بھی مال دار ہوں تو یہ مال داری اصل مال داری سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ جاتی ہے۔ یُوں آگے بڑھنے کا کیا ہے، کوئی چیز بھی کسی چیز سے بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔ آپ بھی دُوسروں سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ہمارا مُلک بھی دُوسرے مُلکوں سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ شرط ہے جذبے کی۔ وُہ بھی خالص جذبے کی۔ جس میں کوئی سازشی دماغ کام نہ کر رہا ہو۔ یا کسی سازشی کا دماغ نہ چل گیا ہو۔ شاید آپ کہہ اُٹھیں۔ یہ آپ نے آج کس قسم کی دو باتیں لکھ ماریں۔ اس قسم کی دو باتیں تو پُرانے ناولوں کی ہوتی نہیں۔ واقعی ٹھیک سوچ رہے ہیں آپ۔ پُرانے ناولوں کی دو باتیں بھی پُرانی ہوتی تھیں۔ نئی ہونے سے تو رہیں۔ اگر پُرانے ناول نئے ناول نہیں ہو سکتے تو پُرانے ناولوں کی پُرانی دو باتیں نئی دو باتیں کس طرح ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ جس طرح آپ کو پُرانے ناول یاد آتے ہیں، اسی طرح پُرانی دو باتیں بھی

یاد آتی ہوں۔ اور جس طرح آپ کو پُرانے ناول پسند تھے، اسی طرح پُرانی دو باتیں بھی پسند رہی ہوں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ نئے ناولوں کے ساتھ آپ کو نئی دو باتیں بھی اس حد تک پسند نہ آتی ہوں۔ کچھ بھی ہو یا نہ ہو۔ ایک بات ضرور ہے۔ اور وُہ یہ کہ میرے ناولوں کا اور ناولوں کی دو باتیں کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا ہے۔ ہو گیا ہے یا نہیں۔ کر کے دکھائیں انکار۔ آپ ہرگز انکار نہیں کر پائیں گے۔ اور اگر انکار کر بھی دیں تو میری صحت پر کوئی خوش گوار اثر نہیں پڑ جائے گا تو ناخوش گوار اثر کیسے پڑ سکتا ہے۔

میرا خیال ہے۔ اس وقت تک آپ بہت حد تک بور ہو چکے ہوں گے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ مکمل حد تک بور ہوں۔ اس سے پہلے ہی اجازت لے لینا بہتر سمجھتا ہوں۔ چلتے چلتے ایک بات اور۔ آپ اس بات کو ان دو باتیں کی دُم کہہ سکتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں نا۔ ہاتھی نکل گیا، دُم رہ گئی۔ وُہ بات یہ

ہے کہ آیندہ خاص نمبر خریدنے کے لیے ابھی
سے تیاری کر لیں ۔ اس لیے کہ خاص نمبر
خاص نوعیت کا ہے ۔ اور بھی کئی لحاظ سے
خاص ہو گا ۔ آپ جانتے ہیں ۔ یہ بات
مَیں ہر بار نہیں کہتا ۔ جب ضرورت ہوتی
ہے ، تب کہتا ہوں ۔ پھر نہ کہنا ۔ خبر نہ
ہوئی ۔ یہ کہنا بے کار ہو گا ۔ اگر آپ دو باتیں
نہیں پڑھتے تو یہ آپ کا قصور ہو گا ، نہ کہ میرا ۔
اب آپ اُلجھن میں پڑ جائیں گے کہ نہ جانے
مَیں نے یہ بات کیوں کہی ہے ۔ بھئی بس
کہ دی ۔ لکھ دی ۔ آپ ہوشیار ہو جائیے
نا ۔ چوکنّے بھی ہو جائیں تو ذرا اور بہتر
رہے گا ۔ آخر آپ کا نقصان کیا ہے ۔
آپ کا جاتا کیا ہے ۔ چوکنّے ، ہوشیار اور خبردار
ہو جانے میں ۔

چوکنّے ، ہوشیار اور خبردار ہو جانا تو یوں بھی
صحت کے لیے بہت مفید ہے ۔ بلکہ مَیں تو
کہتا ہوں ۔ مُلک دشمن عناصر سے بھی آپ
یہی کچھ ہو جائیے ۔ پچھلے دنوں مَیں نے

اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر پڑھی ہے ۔
یہ کہ کراچی میں ایک تخریب کار پکڑا گیا ہے ،
جو اسرائیلی ہے ۔ اور اس کے پاس اسلحہ بھی
اسرائیلی تھا ۔

یہ خبریں میرے ناولوں کی تصدیق کرتی نظر
آتی ہیں ۔ ٹھیک ہے یا نہیں ۔

اشتیاق

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ـــــ
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ـــــ
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ـــــ
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ـــــ
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا

اگر اللہ باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

جنگل میں

"سر! میں نے میدان مار لیا۔"

"کیا مطلب؟"

"جو آپ چاہتے تھے۔ میں نے وہ چیز ایجاد کر ڈالی۔"

"واقعی!"

"پہلے مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن میں سو فی صد یقین کے بعد آپ کے پاس پہنچا ہوں اور وہ اس طرح کہ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور تجربے کا نتیجہ وہی نکلا۔ جو آپ چاہتے ہیں۔"

"بہت خوب! تفصیل بتاؤ جلدی۔"

کمرے میں سرگوشی کی آواز سنائی دینے لگی۔ کافی دیر تک کھسر پھسر جاری رہی، پھر دوسری آواز گونجی:

"واقعی! اس بار تم سو فی صد کامیاب ہو گئے۔ لیکن اب ہمیں یہ کام سامنے آئے بغیر کرنا ہے۔ اس قدر

دُور رہ کر کہ کسی کو ہماری بھنک تک نہ پڑے ۔
یا یُوں کہ لو کہ اس حد تک الگ رہ کر کریں گے ۔ کہ
کوئی ہمارے بارے میں سوچ بھی نہ سکے ۔ اور ہمارا کام
ہو جائے۔"

"یہ کیسے ہو گا سر؟"

"ہم تمھاری اس ایجاد کی پُوری طرح وضاحت کر کے کسی
پارٹی کو بیچ دیں گے اور خود درمیان سے نکل جائیں گے ۔
اب وُہ پارٹی یہ کام کرے گی ۔ اسے بھی معلوم نہیں ہو
گا کہ کیا ہونے والا ہے ۔ اسے تو اس وقت معلوم ہو گا
جب پانی سر سے اُوپر ہو چکا ہو گا ۔ اور اس کے روکے
بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"اب یہ آپ جانیں کہ اس ایجاد سے فائدہ کس طرح
اُٹھانا ہے۔"

"ٹھیک ہے ۔ تم ایجاد کا فارمولا مجھے دو ۔ آگے کام
میرا ہو گا ۔ اب میں دیکھوں گا ۔ میرا منصوبہ کس طرح
کام یاب نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے سر ۔ فارمولا آپ کی میز پر موجود ہے۔"

"اوہ شکریہ!"

"لیکن سر ۔ آپ نے مجھ سے ایک بہت بڑے انعام کا

وعدہ کیا تھا۔"

"ہاں کیوں نہیں ۔ صرف تین دن بعد وُہ انعام تمھیں
مل چکا ہو گا اور صرف دو دن بعد مَیں اس ایجاد کا سودا
کر چکا ہوں گا۔"

"اب مَیں اجازت چاہوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

پہلے قدموں کی آواز سنائی دی ۔ پھر کمرے میں کھٹ
پٹ ہونے لگی ۔ اور کئی بار فون نمبر ڈائل کرنے کی آواز
بھی سُنائی دی ۔ کافی دیر تک یہی ہوتا رہا ۔ آخر دُوسری
آواز نے اپنے آپ سے کہا:

"اب میں اپنا کام مکمل کر چکا ہوں ۔ دو دن بعد
ایجاد کا سودا ہو جائے گا ۔ جو انعام ایجاد کے موجد
کو دوں گا ، اس سے کئی گناہ اس کی قیمت وصول کروں
گا ۔ اور اصل قیمت تو وُہ مقصد ہو گا ۔ جس کو حاصل کرنے
کے لیے مَیں بُری طرح تڑپ رہا ہوں۔"

ان الفاظ کے بعد کمرے میں موت کا سناٹا طاری
ہو گیا ۔

وُہ شخص گہری سوچ میں ڈوب گیا اور یُوں محسوس ہونے
لگا ، جیسے اب وُہ کبھی بھی کچھ نہیں بولے گا ۔

"آخر ہم کہاں جا رہے ہیں ابّا جان؟" فاروق نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ایسی جگہ جہاں نہ بندہ نہ بندے دی ذات ہووے۔"

"ہائیں! آپ نے اُردو میں پنجابی شامل کر دی۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں — مَیں نے تو پنجابی میں اُردو شامل کیا ہے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" وُہ شوخ انداز میں مُسکرائے۔

"ہائیں ہائیں — آج آپ کو ہو کیا گیا ہے؟" فرزانہ حیران رہ گئی۔

"آج — نہ جانے کیوں — میرا جی چاہ رہا ہے کہ..."

"جی جی — جلدی بتائیے — آپ کا کیا جی چاہ رہا ہے؟" فارُوق نے بوکھلا کر کہا۔

"خان رحمان — تم بتاؤ — میرا کیا جی چاہ رہا ہے؟"

"مم — مَیں بتاؤں — لیکن بھئی — یہ بات مَیں کس طرح بتا سکتا ہوں — میں غیب کا علم تو جانتا نہیں، بلکہ غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں — کہ غیب کا علم کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے — لیکن یہ بات غیب کے علم سے کوئی تعلق نہیں رکھتی — یہ بات تو ہے اندازے کی — بس تم اندازہ لگاؤ اور بتاؤ — کہ میں کیا چاہتا ہوں — تم نے مجھے ایسے موڈ میں پہلے بھی دیکھا ہوگا، لہٰذا اندازہ لگا لو۔"

"اندازہ لگا لوں۔" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! لگا لو بھئی۔" وُہ مُسکرائے۔

"پروفیسر صاحب — اب آپ یہ بتائیں — میں اندازہ کس طرح لگا لوں؟"

"جس طرح لگایا جاتا ہے۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"بہت خوب! پروفیسر صاحب کا جواب پسند آیا۔"

"تو آپ میری مدد کریں نا۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"مم — میں اور مدد کروں — لیکن اس سلسلے میں تو مَیں اپنی مدد نہیں کر سکتا — تمھاری مدد کس طرح کروں گا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"مارے گئے پھر تو۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"اللہ نہ کرے انکل — آپ کیوں مارے جائیں — مارے جائیں آپ کے دشمن۔" فارُوق نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا۔

"اچھا اچھا بس — اب رہنے دو یہ اندازہ — اب تم بتاؤ میں کیا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو آپ بتا ہی چکے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا بتا چکے ہیں؟"

"ایسی جگہ جانا — جہاں نہ بندہ ہو اور نہ بندے کی ذات ہو۔"

"بالکل ٹھیک — یار خان رحمان — تم بالکل سامنے کی بات نہیں بتا سکے — حالانکہ میں خود یہ بات کر چکا ہوں۔"

"حد ہو گئی — عقل ماری گئی تھی میری۔" خان رحمان نے بھنّا کر کہا۔

"خیر — اس جگہ کی بات جانے دو — یہ بتاؤ کہ میں اور کیا چاہتا ہوں۔"

"بھئی جمشید — آج تم مجھے ستانے پر کیوں تُل گئے ہو، تُلنا ہی ہے تو محمود، فاروق اور فرزانہ کو ستانے پر تلو۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"اچھی بات ہے — ان پر تُل جاتا ہوں — میرا کیا جاتا ہے — ہاں تم بتاؤ، میں اور کیا چاہتا ہوں؟" وہ بولے۔

"آپ یہ چاہتے ہیں کہ بادل گھر آئیں — ہلکی ہلکی بارش ہونے لگے — ہم سڑک پر چلے جا رہے ہوں اور..."

فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"یہ اور کے بعد تمہاری گاڑی کیوں رُک گئی؟" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"اب اس گاڑی کو تم دھکا دو۔" فاروق جل گیا۔

"اچھی بات ہے — یونہی سہی — ہم سڑک پر چلے جا رہے ہوں — پھر بارش تیز ہو جائے — اور ہم بارش میں گھر جائیں — نہ آگے جانے کا راستا رہے — نہ واپس پلٹنے کا — اور ہمیں گاڑی وہیں سڑک پر کھڑی کرکے جنگل میں کہیں پناہ لینی پڑے۔"

"خیر — اتنا خوف ناک پروگرام تو میرا نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو پھر کم خوف ناک پروگرام مجھ سے سُنیے۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"اچھی بات ہے — سُن لیتے ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"کم خوف ناک پروگرام یہ ہے کہ گاڑی کا ٹائر..."

عین اس وقت ایک دھماکا ہوا — اور یہ دھماکا ٹائر پھٹنے کا تھا۔

"اسے کہتے ہیں کالی زبان۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"ہاں واقعی — آج تصدیق ہو گئی — اِدھر اس نے ٹائر

پھٹنے کی بات کی اُدھر ٹائر پھٹ گیا۔ حیرت ہے۔ یہ ٹائر بھی باتیں سُننے لگے۔"

"اماں نہیں۔ ٹائروں کے کان نہیں ہوتے۔" خان رحمان نے کہا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں انکل! اگر دیواروں کے کان ہو سکتے ہیں تو ٹائروں کے کان کیوں نہیں ہو سکتے۔ اور پھر آپ خود سوچیں۔ اگر ان ٹائروں کے کان نہیں ہیں تو پھر یہ پھٹ کیوں گیا؟"

"اس کے پھٹنے کا وقت آ گیا تھا۔ اور وہ لو۔ کالے بادل بھی تیزی سے چلے آ رہے ہیں۔ آج جمشید کی تمام خواہشیں ایک ساتھ پوری ہوں گی۔"

"بھئی واہ! مزا آ جائے گا پھر تو۔" پروفیسر داؤد ہنسے۔

"اب یہ تو معلوم نہیں انکل کہ مزا آتا ہے یا نہیں، یہ مزے کی مرضی ہے۔"

"مزے کی مرضی۔" خان رحمان نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے۔ پہلے ہمیں فوری طور پر ٹائر کو بدل دینا چاہیے۔"

"دوسرا ٹائر میں ساتھ لے کر آیا ہی نہیں۔" انسپکٹر جمشید مُسکرا دیے۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"جب مَیں تفریح کے موڈ میں ہوتا ہوں نا۔ تو پھر مکمل طور پر تفریح منانا چاہتا ہوں۔ اس میں تمام چیزیں قدرتی ہوں، یہ پسند کرتا ہوں۔ مثلاً اسی کو دیکھ لو کہ میں نے گھر سے کچھ بھی ساتھ لینے کی تمہیں ہدایت نہیں کی تھی۔ اور نہ یہ بتایا تھا کہ کہاں جانا ہے۔ یہاں تک کہ خان رحمان اور پروفیسر صاحب کو بھی کچھ پوچھنے یا کچھ ساتھ لینے کی کوئی مہلت نہیں دی۔ مطلب یہ کہ اس جنگل میں جہاں گاڑی کا ٹائر پھٹ گیا۔ بات صرف یہی نہیں ہے۔ کہ ہم یہاں سے گاڑی کو نہ آگے لے جا سکتے ہیں، نہ پیچھے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہمارے پاس کھانے پینے کی بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسے کہتے ہیں، ایڈونچر۔"

"اب پتا چلا۔ ابّا جان تو ایڈونچر کے لیے آئے ہیں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ یہاں چاروں طرف ایڈونچر ہی ایڈونچر ہے۔" محمود مسکرایا۔

"میرا خیال ہے۔ پہلے ہم کار کو سڑک سے اتار کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ پھر سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کچھ کرنے کرانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جو آپ

چاہتے تھے ، وہی تو ہو رہا ہے"۔ فاروق نے جل کر کہا۔

"لیکن بھئی — اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی تو کچھ کرنا ہو گا"۔ انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

"اوہ ہاں ! یہ تو ہے"۔

انھوں نے کار کو سڑک سے اُتار لیا۔ چاروں طرف دیکھا — بادل اب ہر طرف سے گھر آئے تھے۔

"یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے بادلوں نے ہمیں ہر طرف سے گھیر لینے کا پروگرام بنا رکھا ہے"۔

"کوئی بات نہیں — فاروق یہاں بہت اونچے درخت بھی تو ہیں"۔

"جی ہاں ! ہیں تو — میں ابھی خبر لاتا ہوں"۔

اُس نے جوتے اُتارے اور ایک بہت اونچے درخت پر چڑھنے لگا۔

"اس کی درختوں پر چڑھنے کی تیزی اگر کبھی بندر دیکھ لیں تو بس — مارے حیرت کے بے ہوش ہو جائیں"۔ محمود نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے تو دیکھ لو ، روکا کس نے ہے"۔ فاروق نے اُوپر سے شوخ آواز میں کہا۔

"دیکھا محمود — اب اس نے تمھیں بندر کہ دیا"۔ فرزانہ

نے مسکرا کر کہا۔

"یہ اس کی پُرانی عادت ہے — حالانکہ یہ نہیں جانتا ، مجھے بندر کہ کر اور کس کس کو بندر کہ جاتا ہے"۔

"ارے — چُپ"۔ انسپکٹر جمشید جھینپ گئے۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد کی کھی کھی شروع ہو گئی ، اُسی وقت فاروق چلّایا:

"یہاں سے بائیں طرف ناک کی سیدھ میں ایک پرانی سی عمارت نظر آ رہی ہے — اس کے چاروں طرف کھیت موجود ہیں"۔

"لیکن ناک کی سیدھ میں تو کئی درخت آ جائیں گے"۔ محمود نے گھبرا کر کہا۔

"یہ تم نے چاروں طرف کھیت کس طرح دیکھ لیے"۔ انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اوہ ہاں واقعی — سامنے اور دائیں بائیں تو تم کھیت دیکھ سکتے ہو ، اس عمارت کے پچھلی طرف کس طرح دیکھ سکتے ہو"۔

"اندازے سے — یہ اندازہ لگایا ہے کہ جب تین طرف کھیت ہیں تو چوتھی طرف بھی ضرور ہوں گے ، کیونکہ سڑک کی طرف بھی کھیت ہیں — اگر نہ ہوتے تو

سڑک کی طرف نہ ہوتے۔"

"بات میں وزن ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"حیرت ہے — اس قدر اونچائی پر وزن کس طرح پیدا ہو گیا۔"

"تول کر دیکھ لو بڑے بھائی۔" فاروق نے ہانک لگائی۔

"اچھا، اب تم جلدی سے نیچے آ جاؤ — ورنہ ہم چل دیں گے اور تم پیچھے رہ جاؤ گے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

فاروق تیزی سے نیچے اترنے لگا — پھر وہ اس عمارت کی طرف بڑھے — آدھ گھنٹے تک چلنے کے بعد انھیں عمارت نظر آنے لگی — وہ کوئی پرانی حویلی تھی — شاید کسی زمانے میں کسی بڑے نواب نے بنائی ہو گی — حویلی کے چاروں طرف واقعی کھیت ہی کھیت لہلہا رہے تھے — یہ دن تھے گندم کی اگائی کے — گندم کے سبز اور سنہری پودے ہوا میں لہلہا رہے تھے — اب ہوا میں بہت تیزی آ گئی تھی — مٹی بھی خوب اڑنے لگی تھی اور اس مٹی سے اپنی آنکھوں کو بچانا ان کے لیے مشکل ہو چلا تھا — انھیں بار بار آنکھوں پر ہاتھ رکھنا پڑ رہے تھے — اور پھر — کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے وہ حویلی کے دروازے پر پہنچ گئے — دروازہ بند تھا۔

محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی — اسے تین بار زور زور سے دستک دینا پڑی، تب کہیں جا کر قدموں کی آواز سنائی دی — اور دروازہ کھلا — تیرہ چودہ سال کی ایک لڑکی کی شکل نظر آئی — اس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں اور بہت بڑی تھیں — آنکھیں گھما کر اس نے انھیں دیکھا، پھر بولی:

"ہمارے ہاں کوئی نہیں آتا نا — اس لیے دروازہ کھولنے میں دیر ہوئی — میں سمجھی، دروازہ ہوا سے بج رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں — ہماری گاڑی کا ٹائر پھٹ گیا ہے، دوسرا ٹائر ساتھ لائے نہیں — موسم خراب ہے، اس لیے ہمیں کچھ دیر کے لیے پناہ کی ضرورت ہے۔"

"ضرور، کیوں نہیں — اگر ڈیڈ کو کوئی اعتراض نہ ہوا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"اور ڈیڈ کو کیوں اعتراض ہو گا؟"

"ان کا پہلا خیال یہ ہو گا کہ آپ لوگ ڈاکو واکو ہیں اور ہمیں لوٹ لیں گے۔"

"ارے نہیں — ہمارے پاس اپنے کاغذات ہیں — ہم ان کاغذات کے ذریعے خود کو شریف شہری تو ثابت

کر ہی سکتے ہیں۔"

"خیر۔ آپ آئیے۔" اس نے کہا۔

"نیلم ۔ باہر کون لوگ ہیں؟"

"مہمان!" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"مہمانوں کو پہلے میرے پاس لاؤ ۔ ہمارے ہاں مہمان کہاں سے آ گئے؟" لہجہ ناخوش گوار تھا۔

"دیکھا ۔ میں نے کہا تھا نا۔" وہ دبی آواز میں بولی۔

"کوئی بات نہیں، ہم ان کا اطمینان کرا دیں گے۔"

وہ لڑکی کے ساتھ آگے بڑھے ۔ حویلی بہت بڑی تھی۔ اور اس کا زیادہ تر حصہ شاید بے آباد پڑا تھا۔

اسی وقت ایک برامدے سے ایک نوجوان تیز تیز چلتا ہوا اچانک ان کے سامنے آ گیا اور نیلم سے ٹکرا گیا:

"اندھے ہیں بھائی جان ۔ دیکھ کر نہیں چلتے۔"

"مم ۔ معاف کرنا ۔ میں ذرا جلدی میں تھا ۔ ارے! یہ کون لوگ ہیں؟"

"مہمان! ان کی گاڑی خراب ہو گئی ہے۔"

"مجھے تو یہ خطرناک لگتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں ۔ اگر انھوں نے کوئی خطرناکی دکھائی تو ہم بھی ان کے لیے کم خطرناک ثابت نہیں ہوں گے۔"

نیلم نے کہا۔

"اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو تو مجھے آواز دے دینا۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے دیکھا ۔ نوجوان کی آنکھیں بالکل کالی تھیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ان کے پاس سے نکلتا چلا گیا۔

"تو یہ آپ کے بھائی ہیں، حیرت ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے ۔ کیا بھائی ہونا بھی حیرت کی بات ہوتی ہے۔" اس نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"حیرت کی بات اس طرح کہ ان کی آنکھیں سیاہ اور آپ کی نیلی؟"

"یہ اللہ کے کام ہیں، انسان کے نہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں! بات تو ٹھیک ہے۔"

اسی وقت لڑکی ایک کمرے میں داخل ہو گئی ۔ انھوں نے دیکھا، اندر ایک ادھیڑ عمر آدمی ایک مسہری پر نیم دراز تھا ۔ اس کی بڑی بڑی خوف ناک مونچھیں، بچھو کے ڈنک جیسی تھیں:

"تو یہ ہیں مہمان ۔ آپ لوگوں کی تعریف ۔ آپ اس طرف کیسے آ نکلے؟"

انسپکٹر جمشید نے پہلے تو اسے گاڑی کے بارے میں

بتایا ، پھر اپنے کاغذات دکھائے ۔ کاغذات دیکھ کر اس
نے کہا :

" کاغذات تو خیر نقلی بھی ہو سکتے ہیں۔"

" ہاں ۔ ہونے کو اس دُنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔"
فارُوق نے سرد آہ بھری۔

عین اسی وقت ایک نوجوان آدمی اندر داخل ہوا ،
لیکن یہ وُہ نہیں تھا ۔ جو نیلم سے ٹکرایا تھا ۔

" ڈیڈ ! یہ کون لوگ ہیں ؟"

" ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا ۔ ان کا کہنا ہے ۔ ان کی گاڑی
کا ٹائر پھٹ گیا ہے اور ان کے پاس دُوسرا ٹائر ہے
نہیں ۔ موسم خراب ہے ۔ اس وقت یہ کچھ کرنے کے قابل
نہیں ، لہٰذا یہاں پناہ لینا چاہتے ہیں۔"

" پناہ کے چکر میں کہیں یہ ہمیں چکر نہ دے جائیں۔"

" ہاں ! میرا بھی یہی خیال ہے ۔ انھوں نے اپنے
کاغذات دکھائے ہیں ۔ وُہ بہت اہم لوگوں کے ہیں ۔
کہیں وُہ غلط نہ ہوں۔"

" میں اور جیکی جا کر پہلے ان کی بات کی تصدیق کر
آتے ہیں ۔ اگر وہاں واقعی کار کھڑی ملی تو یہ سچے ۔
اور اگر باہر کہیں گھوڑے بندھے ملے تو یہ ڈاکو۔" نوجوان

نے کہا ۔

" تمھاری بات پسند آئی جیکی ۔ جلدی کرو۔"

" شکریہ ڈیڈ۔" جیکی نے کہا اور ان پر ایک ناخوش گوار نظر
ڈالی ۔ انھوں نے دیکھا ۔ اس کی آنکھیں سرمئی تھیں ۔ وُہ
چلا گیا تو انسپکٹر جمشید بولے :

" کم از کم آپ ہمیں بیٹھنے کے لیے تو کہہ دیں۔"

" اوہ ہاں ضرور ۔ کیوں نہیں ۔ بیٹھ جائیں۔" اس نے
چونک کر کہا ۔

" آپ کا نام ؟"

" میں ٹونی ہاورڈ ہوں۔"

" انگریز ہیں ؟ خان رحمان نے پُوچھا ۔

" ہاں !" اس نے کہا ۔

" یہاں کب سے رہ رہے ہیں ؟"

" قریباً ساٹھ سال سے۔"

" کیا مطلب ؟"

" مطلب یہ کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے ، یہیں رہتا
ہوں ۔ میرے باپ دادا بھی یہیں رہتے تھے۔" اس
نے کہا ۔

" گویا آپ کا خان دان انگریزی دور سے یہاں آباد

ہے؟" اُنھوں نے کہا۔

"ہاں بالکل! ہمیں یہ علاقہ اتنا پسند آیا کہ جب انگریز یہاں سے گئے۔ ہم نے جانا پسند نہیں کیا اور یہیں رہ گئے۔"

"اوہ اچھا۔ آپ ہمارا یقین کریں۔ ہم ڈاکو نہیں ہیں۔" اِنسپکٹر جمشید بولے۔

"اگر وہاں کار کھڑی مل گئی اور اس کا ٹائر بھی پھٹا ہوا ہو گا تو ہم آپ لوگوں کی بات پر یقین کر لیں گے۔" ٹونی ہاور نے کہا۔

"آپ کی گزر بسر شاید ان کھیتوں پر ہے؟" اِنسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں! ان کھیتوں سے ہمیں بہت ہی زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"بہت ہی زیادہ۔ اور ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔ ہماری گندم بہت زیادہ داموں پر یہیں فروخت ہو جاتی ہے۔ پورے مُلک میں اس قدر اچھی گندم اور کہیں پیدا نہیں ہوتی۔"

"اوہ اچھا! آپ کا مطلب ہے۔ شہر سے لوگ

یہیں آ جاتے ہیں اور آپ کی مرضی کے ریٹ پر گندم خرید کر لے جاتے ہیں۔"

"ہاں! بالکل۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"یہ تینوں آپ کے بچّے ہیں؟"

"تو یہاں اور کون رہتا ہے۔ اور کس کے بچّے ہوں گے۔" اس نے بُرا مان کر کہا۔

"میرا مطلب ہے۔ ان میں سے ایک کی آنکھیں بالکل نیلی، دُوسرے کی بالکل کالی۔ اور تیسرے کی سُرمئی۔" اِنسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے یہیں کی ایک عورت سے شادی کی تھی۔ کسی انگریز عورت سے شادی نہیں کی تھی۔" اس نے کہا۔

"ایک مسلمان عورت کسی انگریز سے کس طرح شادی کر سکتی ہے؟"

"وُہ مُسلمان نہیں، عیسائی تھی۔ لیکن یہاں کی رہنے والی تھی۔"

"اوہ اچھا خیر۔ یہ آپ کا گھریلو معاملہ ہے۔"

"جب تک میرے بچے نہیں آ جاتے۔ آپ کو میں ایک کمرے میں بٹھا کر دروازہ باہر سے بند کرا دیتا

ہوں۔ کیا خیال ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

"نہیں — اس میں اعتراض کی کیا بات" خان رحمان فوراً بولے — انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا، لیکن پھر مسکرا کر رہ گئے — اور کچھ نہ بولے۔

"نیلم — جاؤ — انھیں مہمان خانے میں بٹھا کر دروازہ باہر سے بند کر دو۔"

"اچھا ڈیڈ" وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اب وہ انھیں ایک بہت بڑے کمرے میں لائی۔ یہاں بستر بھی موجود تھے۔

"ہمارے ہاں اگر کوئی بھولا بھٹکا مہمان آ جاتا ہے تو ہم اسے اس کمرے میں ٹھہراتے ہیں۔ آپ کو یہ کمرہ پسند تو نہیں آئے گا — لیکن مجبوری ہے — ہم ہر ایک کے لیے الگ کمرے کا انتظام نہیں کر سکتے — یہ بات نہیں کہ یہاں کمرے نہیں ہیں۔ جی نہیں، کمرے تو بے شمار خالی پڑے ہیں — لیکن بستر نہیں ہیں اتنے" نیلم نے کہا۔

"کوئی بات نہیں — آپ فکر نہ کریں — ہمیں یہ کمرہ بہت پسند آیا ہے"

"تب پھر آرام کریں — جب تک کہ میرے بھائی نہیں

آ جاتے"

"آپ کی والدہ کب فوت ہوئیں؟"

"مجھے تو یاد نہیں — میں تو بالکل چھوٹی سی تھی" اس نے کہا۔

"اچھا خیر"

وہ جانے کے لیے مُڑی — لیکن اسی وقت فرزانہ نے ٹانگ اڑا دی — وہ منہ کے بل گری —

بٹن دبا دو

"ارے ارے — یہ کیا کیا؟" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"خاموش! میں نے ٹھیک کیا ہے۔" فرزانہ غرائی۔ اس نے الفاظ دبی آواز میں کہے تھے۔

"کیا مطلب؟"

"چُپ۔" فرزانہ بولی۔

محمود اور فارُوق نے اپنے والد کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے:

"کرنے دو بھئی۔ جو کرتی ہے۔"

"دروازہ باہر سے بند کر دو۔" فرزانہ نے محمود سے کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"ابا جان — کیا آپ بھی یہی محسوس کر رہے ہیں؟"

"نہیں تو — محمود، دروازہ باہر سے بند کر دو۔"

"اُف مالک — اوہ اچھا — میں سمجھ گیا۔"

اس نے فوراً کہا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ اس طرح وہ خود باہر رہ گیا۔ کمرے میں داخل ہونے کا اور کوئی راستا نہیں تھا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" نیلم نے جھلّا کر کہا۔

"کمرے کا دروازہ اب باہر سے بند ہے۔ آپ کے ڈیڈ کا حکم پورا کر دیا گیا ہے۔ اب آپ بتائیں۔ آپ لوگوں کا پروگرام کیا ہے؟"

"کک — کیسا پروگرام؟" وہ چونک کر بولی۔

"ہمیں اس کمرے میں بند کرنے کا پروگرام تھا نا آپ لوگوں کا۔"

"نن — نہیں تو — ہم آپ لوگوں کو بند کر کے بھلا کیا کریں گے۔"

"یہ ابھی ہمیں معلوم نہیں کہ کیا کرنے کا پروگرام تھا۔ ہاں، یہ کہہ سکتے ہیں کہ بند کرنے کا پروگرام تھا۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے کہا۔

"ابا جان! کیا ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے؟"

"وہ پہلے ہوئی تھی — اب تو اس کی بڑی بہن ہوئی ہے۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"تم چُپ رہو — جب بولو گے، اوٹ پٹانگ بولو گے،

اس سے تو بہتر تھا۔ باہر سے دروازہ تم سے بند کروایا جاتا۔" فرزانہ بولی۔

"تو اب ایسا کر لیتے ہیں ۔ میں باہر نکل جاتا ہوں، محمود کو اندر بھیج دیتا ہوں۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"بس بس ۔ رہنے دو اسی طرح ۔ اور ذرا زبان کو لگام دو۔"

"نہ تو میری زبان گھوڑا ہے ۔ اور نہ میں کوچوان ہوں، سمجھی تم۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"نیلم صاحبہ! ہمیں غلط فہمی ذرا کم ہی ہوتی ہے۔ البتّہ خوش فہمی اکثر ہوتی رہتی ہے۔ یُوں بھی خوش فہمی غلط فہمی سے اچھی چیز ہے۔"

"پتا نہیں، آپ لوگ کس قسم کے لوگ ہیں اور کیا باتیں کر رہے ہیں، میری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آ رہا۔"

"آ جائے گا ۔ فکر نہ کریں ۔ پروا نہ کریں اور ہماری باتیں غور سے سُنیں ۔ آپ کے ڈیڈی کا پروگرام ہمیں اس کمرے میں بند کرنے کا تھا ۔ سو ہم بند ہو گئے ۔ اب اگر آپ بھی ہمارے ساتھ بند ہو گئیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ۔ قصور اس پروگرام کا ہے ۔ جو آپ لوگوں کا ہے ۔ اور وُہ ہمیں معلوم نہیں، آپ کو معلوم ہے ۔

لہٰذا آپ بتائیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ ڈیڈ کا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" اس نے آواز کو اونچا کرنے کی کوشش کی، لیکن انسپکٹر جمشید نے فوراً اس کی گردن دبوچ لی اور اسے قدرے دبا دیا ۔ اس طرح اس کی آواز بلند نہ ہو سکی ۔

"یہ ہے آواز کو کنٹرول کرنے کا صحیح طریقہ۔"

"بہت خوب! آپ لوگ ضرورت سے کچھ زیادہ چالاک ہیں۔" نیلم نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ہاں، کیا کیا جائے ۔ مجبوری ہے ۔ آپ کے پاس اس کا کوئی حل ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"کک ۔ کس کا حل؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس کا کہ ہم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی چالاک ہیں۔" وُہ مُسکرایا۔

"یار چُپ رہو ۔ دماغ چاٹ لیتے ہو ۔ اب جب تک اس کے بھائی واپس نہیں آ جاتے، اس وقت تک بڑے میاں کوئی بات ہم سے نہیں کریں گے اور وُہ یہی خیال کرتے رہیں گے کہ نیلم نے ہمیں بند کر دیا ہے ۔ اور اِدھر اُدھر کسی کام میں مصروف ہے۔"

"اچھی بات ہے ۔ ہم انتظار کر لیتے ہیں۔" خان رحمان نے

مسکرا کر کہا۔

عین اُس وقت ٹونی ہاور کی آواز گونجی:

"نیلم — تم کہاں ہو؟"

انسپکٹر جمشید نے فوراً نیلم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا — اس نے اپنے منہ پر سے ان کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش شروع کر دی — لیکن جلد ہی وہ جان گئی کہ یہ اس کے لیے ناممکن ہے۔

"نیلم — بھئی کہاں ہو تم؟"

پھر قدموں کی آواز سنائی دی — اور اس کمرے تک آ کر رُک گئی:

"نیلم کیا تم اندر ہو؟"

"اندر ہم لوگ ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے گول مول جواب دیا۔

"اور یہ کیا مذاق ہے انکل ہاور — آخر دروازہ باہر سے کیوں بند ہے؟"

"جب تک ہم تم لوگوں کے بارے میں پوری طرح اطمینان نہیں کر لیتے — اس وقت تک ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے — میرے بیٹے آ کر ہی کوئی فیصلہ سُنائیں گے۔" اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے — اب ہم اس وقت تک انتظار کریں

گے اور خاموش رہیں گے۔"

"نیلم — نیلم — کہاں چلی گئیں۔" وُہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"نیلم بے چاری — اب ہماری مرضی کے بغیر تمھیں نہیں ملے گی۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"وُہ — وُہ کہیں محمود تک نہ پہنچ جائے۔"

"تو کیا ہوا — محمود اس سے نبٹ سکتا ہے۔"

"شاید یہ لوگ اس طرح کے بھولے بھٹکے لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں۔"

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

آخر بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی — اور پھر ایک نوجوان کی آواز انھوں نے صاف سُنی:

"گاڑی ہم نے خفیہ ٹھکانے پر پہنچا دی ہے — اس کے ٹائر ہم کل تک بدل ڈالیں گے — اور نمبر پلیٹ بھی۔ پھر مارکیٹ میں جا کر اس کی قیمت لے آئیں گے۔ شکار بہت آسان رہا — اب آپ کمرے کے فرش کا بٹن دبا دیں۔"

"ایک منٹ — نیلم نہیں مل رہی ہیں۔"

"ن — نیلم۔" دونوں لڑکے ہکلائے۔

"ہاں! میں نے اس کے ذریعے ان لوگوں کو کمرے میں بھیجا تھا۔ کمرے کا دروازہ تو بند ہے، وہ لوگ بھی اس میں بند ہیں۔ لیکن نیلم کہیں نہیں ہے۔"

"نیلم اندر ہمارے ساتھ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا کہا۔ نیلم اندر ہے۔ آپ لوگوں کے ساتھ۔" ان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں۔ بالکل ہے۔ یقین نہیں تو اس سے پوچھ لیں۔"

"تو پہلے اس نے جواب کیوں نہیں دیا تھا۔" ٹونی ہاور نے حیران ہو کر کہا۔

"شاید آپ سے ناراض ہے۔ اس لیے۔" فاروق بولا۔

"نیلم تم بولتی کیوں نہیں۔"

"یہ بے چاری بہت شرمندہ ہے۔ کہ اب تینوں مہمانوں کے ساتھ آخر یہ کیسا سلوک کرتے ہیں۔"

"جواب دو نیلم۔ نہیں نہیں۔ نیلم اندر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ دروازہ تو باہر سے بند ہے۔ اگر نیلم اندر ہوتی تو کمرے کا دروازہ باہر سے بند نہ ہوتا۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔"

"تو پھر دبا دو بٹن کمرے کے فرش کا۔ تاکہ ہمارے

ساتھ ہی نیلم بھی نیچے جا گرے۔ لو اب نیلم کی اپنی آواز سنو۔" یہ کہہ کر انھوں نے اس کے منہ پر سے ہاتھ اٹھا دیا۔

"خبردار ڈیڈی۔ بٹن نہ دبانا۔ ورنہ ان کے ساتھ میں بھی جاؤں گی۔"

"تو کیا ہوا۔ جہاں اتنے لوگ جاتے ہیں۔ آپ بھی سہی۔" فاروق مسکرایا۔

"ارے نیلم۔ تم تو واقعی ان کے ساتھ اندر ہو۔ ل۔ لیکن پھر۔ دروازے باہر سے کس طرح بند ہے؟"

"جادو کے ذریعے۔ ہم لوگ ذرا جادوگر قسم کے واقع ہوتے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔" ٹونی ہاور کے لہجے میں خوف اُمڈ آیا۔

"ہاں! اگر آپ پسند کریں تو ہم آپ کو اپنے جادو کے چند اور نمونے بھی دکھا سکتے ہیں۔ اب ذرا دروازے کی چٹخنی گرائیے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"گرا دو چٹخنی۔" ٹونی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

چٹخنی گر گئی۔ انھوں نے دروازے کو دھکیلا، لیکن دروازہ نہ کھلا۔

"ارے! یہ تو اندر سے بھی بند ہے۔" ٹونی بولا۔

"دیکھا ہمارا جادو۔" فاروق چہکا۔

"بکواس بند کرو۔ اور دروازہ کھول دو۔ اگر نیلم کے جسم پر ایک خراش بھی پائی گئی تو ہم تم لوگوں کو گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔"

"ارے باپ رے۔ ابا جان۔ اب جب تک ہم خراش کے بارے میں اطمینان نہیں کر لیتے، دروازہ نہ کھولیے گا۔"

"ٹھ۔ ٹھیک ہے۔" وہ ہکلائے۔

"لیکن اس طرح وقت بہت ضائع ہوگا۔"

"لو بھئی۔ نیلم کا جائزہ لینا کیا مشکل ہے۔ جگہ جگہ تھپڑ وغیرہ مار کر خراش کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ خراش تلاش کرنے کا کون سا طریقہ ہے۔" خان رحمان مسکرا دیے۔

"خراش تلاش۔ یہ بھی خوب ہے۔" پروفیسر داؤد ہنسے۔

"ہم دروازہ کھول رہے ہیں۔ خیال رہے۔ نیلم پوری طرح ہمارے قبضے میں ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ انھوں نے دیکھا، تینوں کے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں تھیں۔ اور آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"نیلم تم اِدھر آ جاؤ۔" شیکی غرایا۔

"یہی تو مشکل ہے جناب۔" انسپکٹر جمشید طنزیہ بولے۔

"کیا مشکل ہے؟"

"نیلم الگ نہیں ہو سکتی۔ جونہی یہ الگ ہوگی۔ اس کی رُوح اس کے جسم سے الگ ہو جائے گی۔" انسپکٹر جمشید نے خوش گوار انداز میں کہا۔

"پتا نہیں تم کیا کر رہے ہو۔ نیلم تم بتاؤ۔"

"مجھے اس شخص نے کچھ اس طرح پکڑا ہوا ہے کہ اگر یہ ذرا بھی حرکت کرے گا تو میری گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔"

"اوہ۔ اوہ۔ اوہ۔" ان تینوں کے منہ سے ایک ایک اوہ نکلا۔

"تین اوہ کا شکریہ۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔"

"ارے۔ ان میں سے ایک کہاں گیا؟"

"ایسی جگہ۔ جہاں سے وُہ تم لوگوں کی بہت اچھی طرح سے خبر لے سکے۔" فارُوق بولا۔

"یار تم ذرا دیر کے لیے چُپ نہیں رہ سکتے۔"

"رہنے کو اس دُنیا میں کیا نہیں رہ سکتا۔" اس نے فوراً کہا۔

"اچھا بھائی مان گئے۔ ہاں، اب تم لوگ کیا کہتے ہو۔ تمھارا پروگرام یہ تھا کہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دو۔ اور گاڑی اور دُوسرا سامان ہڑپ کر جاؤ۔ شاید تم ہم جیسے دوسرے مسافروں کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتے رہتے ہوگے

اور اسی غرض کے لیے تم نے اس کمرے کا فرش ایسا بنوایا ہے کہ اس میں سے لوگ نیچے کسی تہ خانے میں جا گرتے ہیں، اب بٹن دباؤ نا۔"

"ہوں ٹھیک ہے — شیکی بٹن دبا دو۔"

"جی — کیا کہا — بٹن دبا دوں — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈ — نیلم بھی ساتھ جائے گی۔"

"ہاں! بٹن دبا دو۔"

وہ غرّایا — اور وہ دھک سے رہ گئے۔

کسے پکڑا

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر جیکی کی آواز اُبھری:

"آپ نے کیا کہا ڈیڈ — بٹن دبا دیں۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"لیکن ڈیڈ — اس طرح تو نیلم بھی موت کے منہ میں چلی جائے گی۔"

"پروا نہیں — ان لوگوں سے تو نجات مل جائے گی۔"

"یہ — یہ ہم کیا سُن رہے ہیں — یہ الفاظ ایک باپ کے ہیں۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ الفاظ میرے ہیں — میں اپنی زندگی بچانے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"اپنے بیٹوں کو بھی اسی طرح داؤ پر لگا سکتے ہیں؟" فاروق نے فوراً کہا۔

"ہاں! کیوں نہیں۔"

"کیا کہا ڈیڈ ۔ آپ ایسا بھی کر سکتے ہیں؟"

"ہاں بھئی ۔ مجبوری کی حالت میں تو کچھ بھی کیا جا سکتا۔"

"نہیں نہیں ۔ یہ آج ہم نے کیسی بات سُنی ہے ۔ اُف مالک۔" شیکی نے چلّا کر کہا۔

"تم نہیں جانتے ۔ میری زندگی کس قدر اہم ہے ۔ اور میرے ذمّے کتنے اہم کام ہیں۔"

"تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی اولاد کو قربان کر دے۔"

"ہاں! ایسا ہوتا ہے۔"

"ہم بٹن نہیں دبائیں گے۔" شیکی نے منہ بنا کر کہا۔

"نہیں دباؤ گے تو پھر میں دباؤں گا۔"

"اس کی وجہ میں تم لوگوں کو بتا سکتا ہوں۔" ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی۔

"وہ ۔ وہ کیا؟" جیکی بولا۔

"وجہ ۔ تم بتاؤ گے۔" ٹونی ہاور کے لہجے میں طنز تھا۔

"ہاں! میں بتاؤں گا ۔ تم تینوں ٹونی ہاور کی اپنی اولاد نہیں ہو۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلّائے۔

"بکواس۔" ٹونی نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"یہ بکواس نہیں ۔ کوئی باپ اس قدر سنگ دلی سے بٹن دبانے کا حکم نہیں دے سکتا ۔ جس طرح تم نے دیا ۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب اولاد اپنی نہ ہو ۔ تم تینوں کی آنکھوں ہی میں بہت فرق ہے ۔ ان کے رنگ آپس میں بالکل مختلف ہیں اور ٹونی ہاور کی آنکھوں کا رنگ تم تینوں سے مختلف ہے ۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ تمھاری آنکھیں اپنی ماں پر گئی ہیں، کیونکہ تینوں کی مختلف ہیں۔"

"یہ کوئی ثبوت نہیں ۔ بعض اوقات اولاد کے نقوش ماں باپ سے بالکل نہیں ملتے۔"

"لیکن ان میں کوئی نہ کوئی مشابہت ضرور ہوتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"ویسے یہ بات اکثر ہم نے بھی محسوس کی ہے۔" شیکی نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ۔ ضرور یہی بات ہے۔"

"مم ۔ مجھے ۔ بچاؤ شیکی جیکی ۔ ہم بہرحال یہاں بہن بھائیوں کی طرح رہتے رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا اور ٹونی ہاور کے راستے میں آ گئے۔

"تمھاری یہ جرأت۔ مجھ سے ٹکراؤ گے۔" ٹونی غرّایا۔

ساتھ ہی ان دونوں کے چہروں پر دو مُکّے لگے۔ وہ دُوسری طرف اُلٹ گئے۔ لیکن اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی کمرے سے باہر آچکے تھے۔ اور آتے ہی انسپکٹر جمشید نے ٹونی کی کمر پر ایک لات رسید کر دی تھی۔

ٹونی منہ کے بل گرا۔ لیکن بجلی کی سی تیزی سے اُٹھا؛ تاہم اس کا اُٹھنا بے کار گیا۔ انسپکٹر جمشید کی لات اس کے سر پر پڑی تھی۔ اور وہ بے سُدھ ہو گیا۔ انھوں نے فوراً اسے باندھ دیا۔

"اب تم لوگ ساری بات بتاؤ۔ یہاں ٹونی کے کہنے پر کیا کچھ ہوتا رہا ہے؟"

"ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ فصل اُگانے کا کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کبھی کبھی آپ لوگوں کی طرح مسافر لوگ یہاں آ جاتے ہیں تو ان کا سامان وغیرہ لوٹ کر ہم انھیں ختم کرتے رہے ہیں اور ایسا ہم نے صرف اور صرف ٹونی کے کہنے پر کیا ہے۔ کیونکہ ہم نے اس کی گود میں آنکھ کھولی۔ اسی کی تربیت میں پلے بڑھے۔ اس لیے ہم نے صرف وہ کیا۔ جو اس نے کہا۔ یہ تو آج معلوم ہوا کہ یہ ہمارا باپ نہیں ہے۔"

"ہوں! تو اس کمرے کا فرش۔" محمود نے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"لوہے کا ہے۔ بٹن دباتے ہی یہ کسی ڈھکنے کی طرح نیچے گر جاتا ہے۔ نیچے ایک تہ خانہ ہے۔ اس سے نکلنے کا کوئی راستا نہیں۔ اسی کمرے سے سیڑھی لگا کر اس میں اُترا جا سکتا ہے۔ لہٰذا نیچے گرنے والے زندہ اس میں سے نہیں نکل پاتے۔ تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں۔"

"اُف مالک۔ یہ ٹونی اس قدر ظالم ہے۔" خان رحمان نے کانپ کر کہا۔

"اور کوئی جرم۔ جو یہ کرتا رہا ہو۔"

"ہمیں اور کسی جرم کا پتا نہیں۔" شیکی نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ہم تمھارے ماں باپ کا پتا لگائیں گے۔ اگر اس نے تم لوگوں کو اغوا کیا تھا تو اس صورت میں تو شاید تم لوگوں کے والدین مل جائیں۔ اور اگر یہ تم سے پہلے بھی یہاں یہی کچھ کرتا رہا ہے تو شاید اس نے تم لوگوں کے ماں باپ کو بھی تہ خانے میں گرا دیا ہوگا۔"

"نن۔ نہیں۔" وہ رونے لگے۔

اسی وقت ٹونی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا چہرہ اب پہلے سے زیادہ خوف ناک نظر آ رہا تھا۔

"مسٹر ٹونی۔ ان تینوں کے ماں باپ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"وُہ مارے جا چکے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو تم نے انھیں بھی تہ خانے میں پھینک دیا تھا؟"

"ہاں!" وہ بولا۔

"گویا تم یہ کام مدت سے کر رہے ہو۔"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"تم نے کہا تھا — میری زندگی بہت اہم ہے — اس بات کا کیا مطلب تھا؟"

"یہ میری اولاد نہیں ہیں تو میری زندگی ان کے مقابلے پر تو اہم ہی ہوئی نا۔" وُہ ہنسا۔

"ہوں!" انھوں نے کہا اور پھر ان تینوں کی طرف مُڑے:

"تم لوگ شہر کس طرح جاتے ہو؟"

"ہمارے پاس گاڑی ہے۔"

"اچھی بات ہے — وُہ گاڑی ہمارے ساتھی کو دو — یہ شہر جا کر پولیس کو لے کر آئیں گے — پھر ہم یہاں ضروری کارروائی کریں گے اور تم تینوں کو باعزت بری کرائیں گے — تمھیں عدالت میں وعدہ معاف گواہ بننا ہو گا — اس شخص کے سیاہ کارناموں سے پردہ اُٹھانا ہو گا۔

ایک ایک تفصیل بتانا ہو گی۔"

"جی بہتر!"

اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔ دوسرے دن انسپکٹر جمشید کی پریشانیاں بہت بڑھ گئیں — سب سے پہلے آئی جی صاحب کا فون آیا:

"جمشید! یہ تم نے کس آدمی کو پکڑ لیا — ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا ہے۔"

"جی کیا مطلب؟" وُہ حیران رہ گئے۔

"مطلب یہ کہ اس شخص کی اس وقت تک میرے پاس دو سو سفارشیں آ چکی ہیں۔"

"لیکن جناب! وُہ تو اَن گنت آدمیوں کا قاتل ہے۔"

"ہاں! یہ بہت ٹیڑھا معاملہ ہے — ہم ایک قاتل کو بھلا کس طرح چھوڑ سکتے ہیں — یہ بات میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی — لیکن ذرا سوچو — ہم کس کس کو یہ ساری باتیں بتائیں — میں فون کا ریسیور رکھتا ہوں تو گھنٹی بجنے لگتی ہے۔"

"تب پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں تو بس تمھیں اپنی مصیبت بتانا چاہتا تھا — تم ہی بتاؤ، میں ان لوگوں سے کس طرح نبٹوں۔"

"ہم فوری طور پر اسے عدالت میں پیش کر دیتے ہیں،

فوری انصاف کی عدالت میں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" ہاں! یہ ٹھیک رہے گا ۔ ایک بار عدالت نے ا
سزا دے دی تو پھر لوگ مجھے فون نہیں کریں گے۔"

" آپ فکر نہ کریں ۔ میں کل ہی مقدمہ عدالت میں پیش
کر دوں گا ۔ کل ہی تمام ثبوت پیش کر دیے جائیں
اور کل ہی عدالت سے فیصلے کی درخواست کی جائے گی۔"

" بہت خوب! اس وقت تک کے لیے میں اپنا فون
ہی بند کروائے دے رہا ہوں۔"

" اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ۔ لوگ آپ کے پاس
پہنچ جائیں گے ۔ آپ ایسا کریں کہ فون بھی بند کروا دیں اور
خود میرے پاس چلے آئیں۔"

" بہت خوب! یہ سب سے زیادہ ٹھیک رہے گا۔"
انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

" ہم آپ کا انتظار کریں گے سر۔" انھوں نے خوش ہو
کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

دوسرے دن فوری انصاف کی عدالت میں مقدمہ پیش
ہوا ۔ تمام ثبوت سامنے رکھے گئے ۔ نیلم، جیکی اور ٹیکی
نے تمام کہانی سنا ڈالی ۔ ان کے بیانات کی موجودگی میں
کسی ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔ ٹونی ہاور کے

وکیل نے بہت زور مارا ۔ ادھر ادھر کی باتیں کیں، لیکن
اس کی ایک نہ چلی اور عدالت نے اسے فوری طور پر
سزائے موت سنا دی ۔ تینوں بچوں کو با عزت بری کر
دیا گیا۔

ٹونی ہاور کے وکیل نے عدالت میں یہ اعلان کر دیا:

" ہم صدر سے رحم کی اپیل کریں گے۔"

" ضرور ۔ یہ آپ کا حق ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

تینوں بچوں کو ایک سرکاری مہمان خانے میں بہت
عزت سے ٹھہرایا گیا ۔ تاکہ ان کے ورثا کا سراغ لگنے تک
انھیں کوئی تکلیف نہ ہو ۔ اسی روز صدر سے رحم کی اپیل کر
دی گئی ۔ اور دوسری صبح کا سورج انسپکٹر جمشید اور ان کے
ساتھیوں کے لیے حیرت کا پیغام لایا ۔ جب انھوں نے سنا
کہ صدر نے ٹونی ہاور پر رحم کھاتے ہوئے اسے بری کر دینے
کا حکم دیا ہے۔

وہ سکتے میں آ گئے ۔ پروفیسر داؤد اور خان رحمان فوراً
انسپکٹر جمشید کے گھر پہنچے ۔ آئی جی صاحب تو پہلے ہی وہاں موجود
تھے ۔ اور اس خبر کے سننے سے پہلے اپنے گھر جانے کی
تیاری کر رہے تھے۔

" یہ کیا ہوا جمشید؟"

"ہمیں صدر سے اس کی اُمید ہرگز نہیں تھی ۔ میں ذرا ان سے فون پر بات کر لوں پہلے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے صدر کے نمبر ملائے ۔ ان کی آواز سُنتے ہی صدر صاحب نے کہا:

"میں جانتا تھا جمشید ۔ تمھارا فون آئے گا اور تم گِلا کرو گے ۔ لیکن تم سوچ بھی نہیں سکتے ۔ مجھ پر کس قدر دباؤ ڈالا گیا ۔ کتنی حکومتوں نے میرا ناک میں دم کر ڈالا ۔ اور ملکی لوگوں نے بھی۔"

"لیکن سر ۔ اگر آپ ان سب کی بات ماننے سے انکار کر دیتے تو یہ لوگ آپ کا کیا بگاڑ لیتے۔"

"مم ۔ میں ۔ اب میں کیا کہوں جمشید۔" وہ ہکلائے۔

"ٹھیک ہے سر ۔ آپ کچھ نہ کہیں ۔ آپ کا شکریہ۔" انھوں نے غمگین انداز میں کہا۔

دُوسرے دن کے اخبارات نے ٹونی ہادر کی رہائی کی خبریں پہلے صفحے پر لگائیں ۔ انسپکٹر جمشید کے مخالفین نے ان کا خوب مذاق اڑایا ۔ انسپکٹر جمشید ان سب کا جواب اپنی پُرسکون مسکراہٹ سے دیتے رہے ۔ اسی شام انھیں ٹونی ہادر کا فون موصول ہوا ، وہ شوخ آواز میں کہہ رہا تھا:

"اب تم کیا کہتے ہو انسپکٹر جمشید ۔ کیا سوچ رہے ہو ۔ کیسے

محسوسات ہیں تمھارے۔" آواز گہرا طنز بھی لیے ہوئے تھی ۔

"ایک بات نوٹ کر لیں مسٹر ٹونی ہادر ۔ بعض لوگ اپنی چالاکیوں کے سبب اس دُنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں ، لیکن ان کے لیے ایک اور دُنیا بھی ہے ۔ اس کا نام اللہ تعالیٰ نے جہنم رکھا ہے ۔ کیا تم جہنم کی سزا سے بچ جاؤ گے۔"

"جہنم کس نے دیکھا ہے۔" ٹونی ہادر ہنسا۔

"لیکن میں اس دُنیا کو بھی تمھارے لیے جہنم بنا دوں گا۔"

"بہت خوب ! یہ ہوئی نا بات ۔ میں اس دن کا انتظار کروں گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"ضرور کریں انتظار ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے بھی مسکرا کر کہا اور ریسیور رکھ دیا ۔

ایک منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی پھر بجی ۔ لیکن اس بار فون ٹونی ہادر نے نہیں ، صدر نے کیا تھا ۔

وُہی الفاظ

"السلامُ علیکم سر۔" وہ بولے۔

"جمشید — مجھے تمھاری ضرورت ہے — فوری طور پر چلے آؤ — اور صرف تم نہیں — بچّوں کو بھی لے آنا — بلکہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو بھی۔"

"خیر تو ہے؟"

"پتا نہیں — بس تم آ جاؤ۔" ان کی آواز سے حد درجے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"جی بہتر۔" انھوں نے کہا، ریسیور رکھ کر وُہ ان کی طرف مڑے:

"صدر صاحب نے ہم سب کو ابھی اور اسی وقت طلب فرمایا ہے — پتا نہیں، اب کیا ہو گیا — ٹونی ہاور کو تو رہا کر دیا گیا ہے۔"

"کوئی اور مسئلہ پیش آ گیا ہو گا — مسئلہ پیش آتے کیا

دیر لگتی ہے۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔"

وُہ اسی وقت صدر صاحب کے پاس پہنچ گئے — ان کے چہرے سے عجیب سی وحشت ٹپک رہی تھی —

"شاید تم سوچ رہے ہو گے کہ میں نے تمھیں ٹونی ہاور کے سلسلے میں بُلایا ہے۔"

"نہیں سر — یہ ہم کس طرح سوچ سکتے ہیں — جب کہ وُہ معاملہ ختم ہو چکا ہے۔"

"میں نے ایک بہت بڑی اُلجھن کے سلسلے میں آپ لوگوں کو بلایا ہے، لیکن اب میں سوچ رہا ہوں، اپنی بات کی وضاحت کس طرح کروں۔"

"جیسے بھی کر سکیں، کریں — اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"اگر میں یہ کہوں — کہ میں چند ہفتوں سے برابر یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میں کسی وقت بھی پاگل ہو جاؤں گا تو..."

"جی — یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"حقیقت یہی ہے — میں اپنے دماغ کو بالکل خالی خالی محسوس کرنے لگا ہوں — نہ میں کچھ سوچ سکتا ہوں، نہ سمجھ سکتا ہوں — معمولی باتیں بھی بہت دیر بعد سمجھ میں آنے

لگی ہیں، جب کہ ایک ماہ پہلے ایسا نہیں تھا۔"

"آپ نے اپنے ڈاکٹروں سے چیک نہیں کرایا؟"

"روزانہ چیک کر رہے ہیں — ان کے پاس چیک کرنے کے جدید ترین آلات موجود ہیں اور آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ ان کے آلات بھی یہی بتاتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وُہ حیران رہ گئے۔

"ہاں! ان کے آلات بھی یہی بتاتے ہیں کہ میرا دماغ بالکل خالی ہو رہا ہے — اب تو میں ماضی قریب کی باتیں بھی یاد نہیں کر سکتا — مثلاً تم قریب کے دنوں کی کوئی بات پُوچھ کر دیکھو۔"

"جی اچھا — ۱۰ جنوری کو دارالحکومت میں جو میٹنگ ہوئی تھی، اس میں کس کس مُلک کے لوگ شامل تھے؟" انسپکٹر جمشید نے پُوچھا۔

"مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میٹنگ کس سلسلے میں ہوئی تھی — ہاں، کاغذات دیکھنے پر شاید یاد آ جائے۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"یہ بات تو پھر یادداشت کی ہوئی۔"

"یہی تو مصیبت ہے — اگر میری یادداشت کمزور ہوئی ہوتی تو باقی کام تو ٹھیک ٹھاک چلتے — لیکن ایسا نہیں ہے —

تم کسی موجودہ معاملے پر مجھ سے بات کر کے دیکھو۔"

"جی — موجودہ کسی معاملے پر؟"

"ہاں: بالکل نزدیک کے کسی معاملے پر۔"

"ہوں ٹھیک ہے — آپ ٹونی ہاور کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"میں نے اس کی رحم کی اپیل منظور کر لی ہے۔"

"اس پر کیا الزامات تھے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"اس کی سفارش کن کن لوگوں نے کی؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"تب یہ واقعی یادداشت کی کمزوری کا مسئلہ ہے۔"

"نہیں — تم اب بھی نہیں سمجھے — کسی معاملے میں مجھ سے مشورہ کرو۔" وُہ بولے۔

"اچھی بات ہے — ترکستان کے معاملے میں اب آپ آئندہ کیا پروگرام رکھتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں — انھیں ان کے حال پر چھوڑ دوں، کیونکہ کچھ سجھائی نہیں دے رہا کہ ان کی مدد کس طرح کر سکوں گا۔"

"حالانکہ پہلے آپ ان کے بارے میں ایک واضح پروگرام بنا چکے ہیں۔"

"ہاں ! بتا چکا ہوں — میرے مشیر نے وُہ واضح پروگرام مجھے یاد دلایا ہے — لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ میں اس پر عمل نہیں کر سکوں گا — ہرگز نہیں۔"

جب کہ اس پروگرام پر عمل کرنا بہت آسان کام ہے — اور سبھی کی رائے بھی یہی ہے۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں — لیکن اب مجھے یہ حد درجے مُشکل نظر آ رہا ہے — اسی طرح اور بہت سے معاملات ہیں — جن پر عمل کرنے کے پروگرام بنا لیے گئے تھے — لیکن وُہ تمام میرے لیے ناممکن سے ہو گئے ہیں — بس یُوں سمجھ لو — کہ اب مَیں خود کو بالکل بے کار سا انسان محسوس کرنے لگا ہُوں — بالکل ناکارہ۔"

"اوہ — تب تو — آپ نے ٹُونی ہاور کو بھی اسی وجہ سے معاف کر دیا ہوگا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔"

"ہُوں ! آپ کے ڈاکٹر اب کیا کہتے ہیں؟"

"ان کا کہنا ہے کہ تمام کام چھوڑ کر آرام کروں — بلکہ کسی پہاڑی مقام پر جا کر اپنا مکمّل علاج کراؤں — لیکن وُہ مکمّل مایوس نظر آتے ہیں۔"

"جی کیا مطلب — مکمّل مایوس نظر آتے ہیں؟"

"ہاں ! تم بے شک ان سے بھی بات کر لینا — باہر اپنے کمرے میں موجود ہیں۔"

"اچھی بات ہے — ان حالات میں واقعی آپ کو ان کی بات مان لینی چاہیے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں — بلکہ سوچ بھی کہاں رہا ہوں — کچھ سوچا ہی نہیں جاتا۔"

"ہم ذرا آپ کے ڈاکٹرز سے بات کر لیں — پھر آپ کو مشورہ دیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس لیے تو آپ کو بلایا ہے۔" وُہ مسکرائے۔

وُہ وہاں سے ڈاکٹرز کے پاس پہنچے:

"آپ تمام چیزوں کو چیک کر چکے ہیں؟"

"ہاں ! لیکن وجہ تلاش نہیں کر سکے۔"

"ہوں ! آپ نے ان کی خوراک کو چیک کیا؟"

"بالکل — ہر چیز نہایت احتیاط سے تیار کرائی جاتی ہے، سَو سَو بار چیک ہوتی ہے — پھر ان تک جانے دی جاتی ہے۔"

"انھوں نے کوئی ایسی دوا تو استعمال نہیں کی — جس کا یہ اثر ہوا ہو؟"

"نہیں — ہماری ہدایت کے بغیر انھوں نے آج تک کوئی دوا لی ہی نہیں۔"

تب پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

" یہی بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔" انچارج نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

" تب پھر۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو قائم مقام بنا لیا جائے۔ انھیں پہاڑ پر بھیج دیتے ہیں۔ آپ لوگ ان کے ساتھ جائیں۔"

" ہم تو یہی کہتے ہیں۔ وہ مان لیں تب نا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

" ہم ابھی ان سے بات کرتے ہیں۔"

اب وہ پھر اندر آئے۔ اپنی تجویز ان کے سامنے رکھی تو وہ بولے:

" اب میں اور کر ہی کیا سکتا ہوں۔ اچھا شکریہ۔ آپ لوگ جائیں۔" انھوں نے اداس انداز میں کہا۔

وہ بوجھل بوجھل سے وہاں سے چلے آئے۔ بہت زیادہ اُداس تھے۔

" یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔" فاروق بڑبڑایا۔

" جب ڈاکٹرز کی سمجھ میں نہیں آئی تو ہماری سمجھ میں کس طرح آ سکتی ہے۔"

" پروفیسر صاحب۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"

" میں غور کر رہا ہوں۔ اور ابھی تجربہ گاہ جا کر غور کروں

گا۔" وہ بولے۔

" تو پھر جائیے۔ اور اس کام پر جُٹ جائیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

" ٹھیک ہے۔"

پروفیسر داؤد تو وہیں سے ان سے الگ ہو گئے۔ وہ گھر لوٹے۔ اندر داخل ہوئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے ریسیور اُٹھایا تو کمانڈر انچیف کی آواز سنائی دی:

" اوہ! آپ ہیں سر۔ فرمائیے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

" آپ فوری طور پر میرے پاس آ سکتے ہیں؟"

" جی۔ ضرور کیوں نہیں۔"

" تو پھر چلے آئیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

" چلو بھئی۔ کمانڈر انچیف کو بھی کوئی کام پڑ گیا۔"

" لیکن کھانا؟" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا۔

" آ کر کھا لیں گے۔"

" لیکن میں تو پہلے ہی تین بار گرم کر چکی ہوں۔"

" تو ایک بار اور سہی۔ نہ جانے انھیں کیا پریشانی ہے۔ فوراً بلایا ہے۔"

بیگم جمشید بُرا سا منہ بنا کر رہ گئیں۔ وُہ کمانڈر انچیف کے پاس پہنچے — ان کے چہرے پر پریشانی کے گھرے بادل نظر آئے۔

"مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔" وُہ بولے۔

"جی — کیا فرمایا آپ نے۔" وُہ حیران رہ گئے۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں — مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔"

"مہربانی فرما کر اپنی بات کی وضاحت کریں۔"

"کیا خاک وضاحت کروں — جب مَیں کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہا۔"

"تب پھر — ہمیں حُکم فرمائیں — کیا کریں ہم؟"

"یہی تو مشکل ہے۔"

"کیا مشکل ہے؟"

"یہ کہ — مَیں اپنی بات کی وضاحت نہیں کر سکتا۔"

"آپ اپنی بات کی وضاحت نہیں کر سکتے۔"

"ہاں! نہیں کر سکتا۔"

"آپ نے ہمیں کس سلسلے میں بلایا تھا؟"

"یہی بتانے کے لیے — کہ میں اپنی بات کی وضاحت نہیں کر سکتا — دشمن مُلک کا کمانڈر انچیف گذشتہ ہفتے میرے پاس آیا ہوا تھا — مختلف معاملات پر بات

کرنے کے لیے — لیکن کیا آپ یقین کریں گے — میں کسی ایک معاملے پر بھی اس سے بات نہیں کر سکا — جو بات بھی کی، میرے اسسٹنٹ نے کی — میں تمام وقت خاموش ہی رہا — اور وُہ حیران ہو کر میری طرف بار بار دیکھتا رہا — آخر اسسٹنٹ کو یہ بات بتانا پڑی کہ میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔"

"ہُوں! آپ نے اپنے ڈاکٹروں سے چیک کرایا؟"

"بالکل — وُہ خود حیران ہیں — پریشان ہیں — اور انہیں بھی کچھ سجھائی نہیں دے رہا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے — ان کے آلات البتہ ضرور یہ بتاتے ہیں — کہ ..." وُہ کہتے کہتے رُک گئے۔

"کیا بتاتے ہیں ان کے آلات؟" یک لخت انسپکٹر جمشید بہت بے چین ہو گئے — ان کی بے چینی کو باقی لوگوں نے صاف محسوس کر لیا۔

"ڈاکٹر لوگ یہ بتاتے ہیں کہ میرا دماغ بالکل خالی ہو چلا ہے — وُہ کسی کام کا نہیں رہ گیا — نہ میں سوچ سکتا ہوں، نہ سمجھ سکتا ہوں — نہ کسی بات کو یاد رکھ سکتا ہوں — ماضی قریب کی باتیں بھی مجھے یاد نہیں — میں تو یہ بھی نہیں بتا سکتا، دشمن ملک سے اب ہمیں کیا پالیسی رکھنی ہے — جب کہ پہلے

سے یہ باتیں طے ہوتی ہیں۔ بس یُوں سمجھ لیں ـ میرا دماغ بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ میں بالکل ناکارہ ہو گیا ہوں..."

وُہ کہتے جا رہے تھے اور ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں، کیونکہ وُہ بالکل اسی قسم کے [illegible] تھے ـ جس قسم کے الفاظ وُہ صدر صاحب کے منہ سے سُن چکے تھے ـ

فوراً چلے آؤ

آخر وُہ اپنی بات مکمّل کر کے خاموش ہو گئے

"ہم آپ کے ڈاکٹرز سے مُلاقات کرنا چاہتے ہیں"۔

"انھیں ڈاکٹرز کے پاس لے جائیں"۔

انھوں نے وہاں موجود ایک فوجی آفیسر سے کہا۔ وُہ انھیں ساتھ لے کر ڈاکٹرز کے کمرے میں آیا۔ ڈاکٹرز نے بھی انھیں بالکل ویسی ہی باتیں بتائیں ـ جیسی باتیں صدر کے ڈاکٹرز نے بتائی تھیں۔ اب تو ان کی حیرت اور بڑھ گئی ـ

"ہم آپ کی حیرت میں بہت زیادہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے انچارج سے کہا۔

"جی کیا مطلب ـ کیا ہم اس سے بھی زیادہ حیران ہو سکتے ہیں؟"

"جی ہاں! کیوں نہیں ـ آپ تو اس حد تک حیران ہوں گے کہ کیا کبھی حیران ہوئے ہوں گے"۔ فاروق نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر ان سے بولے:

"صدر صاحب کی بھی آج کل بالکل یہی حالت ہے - اور ان کے ڈاکٹرز نے بھی بالکل یہی باتیں بتائی ہیں جو آپ نے بتائی ہیں۔"

"کیا!!!" وہ چلا اُٹھے۔

"کیوں - آپ اور بہت زیادہ حیران ہو گئے ہیں یا نہیں؟"

"اس میں شک نہیں۔" انچارج نے کہا۔

"اب ہم ایک کام کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور وہ کیا؟"

"آپ صدر صاحب کے ڈاکٹرز کی ٹیم سے ملاقات کر لیں اور نتیجہ اخذ کریں - کیا دونوں کیس بالکل ایک ہیں - یا ان میں کوئی فرق ہے - کیا آپ کے آلات نے بھی دماغی علامات وہی ظاہر کی ہیں، جو صدر صاحب کے دماغ کی علامات آلات نے ظاہر کی ہیں۔"

"اوہ، اچھا۔" وہ چونک کر بولے۔

اور پھر ان کی مُلاقات ان کی موجودگی میں ہوئی - تمام رپورٹیں ملا کر دیکھی گئیں - نتیجہ حیران کن تھا - ان رپورٹوں میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا - اب تو ان سب کی

حیرت میں اور اضافہ ہو گیا۔

"اب آپ اسے کیا کہیں گے - کیا اتفاق کہیں گے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں - اتفاق تو نہیں کہیں گے۔"

"مجھے اس معاملے میں سازش کی بُو آ رہی ہے - اور اب ہم اس مسئلے کا جاسوسی نظر سے جائزہ لیں گے۔"

"جاسوسی نظر سے جائزہ؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"ہاں! یہ کوئی اتفاق نہیں ہے - یہ کوئی سازش ہے - ہمارے مُلک کے بہترین دماغوں کو بے کار کرنے کا منصوبہ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اُف مالک۔" ڈاکٹر چلا اُٹھے۔

"ہمیں سب سے پہلے ان کی خوراک کی تفصیلات جمع کرنا ہوں گی - یہ دونوں حضرات کیا کچھ کھاتے رہے ہیں، آؤ بھئی چلیں - پہلے ہم صدر صاحب کے لیے کھانا پکانے والے شاف سے ملیں گے - پھر کمانڈر انچیف کے شاف سے بات کریں گے۔"

وہ ایک بار پھر صدر صاحب کی رہائش پر پہنچے - فوری طور پر کھانا پکانے والے ان کے سامنے حاضر کر دیے گئے، ان کے رنگ اڑے ہوئے تھے - جسموں پر لرزہ طاری

تھا۔ انسپکٹر جمشید نے کہا:

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف معلومات درکار ہیں۔ ان دنوں صدر صاحب کیا کچھ کھاتے رہے ہیں۔ انھوں نے ایک ماہ کے اندر کیا کچھ کھایا ہے۔ تاریخ وار ہمیں رپورٹ چاہیے۔ وہ رجسٹر ہمیں دے دیا جائے۔ جس میں یہ ساری تفصیل درج ہے۔ جو چیزیں انھوں نے کھائی ہیں۔ وہ چیزیں جن چیزوں سے بنی ہیں۔ وہ تمام چیزیں کہاں کہاں سے حاصل کی گئی ہیں۔ ہمیں یہ تمام تفصیلات چاہییں۔"

"بہت بہتر!" اب ان کی جان میں جان آئی۔

"اس کے علاوہ۔ جب صدر صاحب کا کھانا تیار ہو جاتا ہے تو یہاں پہلے کس کو چکھایا جاتا ہے؟"

"ہم سب کو ہی چکھنا پڑتا ہے۔ ملٹری کے آفیسر اپنے سامنے چکھواتے ہیں۔"

"اور پھر یہاں سے ملٹری آفیسر لے کر جاتے ہیں؟"

"جی ہاں!" وہ بولے۔

"ان ملٹری آفیسرز کو بھی چیک کرنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے۔ ان میں کوئی غدار ہو۔"

"لیکن جناب۔ کھانا جب صدر صاحب کے سامنے پہنچ

جاتا ہے۔ تو ان ملٹری آفیسرز کو بھی چکھایا جاتا ہے۔"

"ہوں۔ خیر۔ ہم چیک کریں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

تمام معلومات حاصل کر کے وہ گھر پہنچے۔ اب ان معلومات کا مطالعہ شروع ہوا۔ اسی طرح انھوں نے کمانڈر انچیف کے سٹاف سے تمام معلومات حاصل کیں اور ان کا مطالعہ بھی غور سے کیا گیا۔ ان تمام میں صرف اور صرف ایک بات مشترک نظر آئی۔ باقی باتیں ایک دوسرے سے نہیں ملتی جلتی تھیں۔ اور وہ ایک بات تھی۔ گندم۔ گندم میاں مجاہد اینڈ سنز سے خریدی جاتی تھی۔ کمانڈر صاحب کے لیے بھی اور صدر صاحب کے لیے بھی۔ یہ خاص بات انھوں نے نوٹ کر لی۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً اکرام کو فون کیا:

"یس سر۔" سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف سے سب انسپکٹر اکرام نے کہا۔

"اکرام۔ تم میاں مجاہد اینڈ سنز کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" انھوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں سر۔ یہ نام میرے لیے بالکل نیا ہے۔"

"ہوں اچھا۔ فوراً گندم کی مارکیٹ میں جاؤ۔ میاں مجاہد

کے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہوسکیں، کرو۔ لیکن دُور رہ کر۔ اس سے نہیں ملو گے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا۔

دو گھنٹے بعد اکرام نے یہ رپورٹ پیش کی:

"میاں مجاہد حسین اس مُلک کے سب سے بڑے گندم کے ڈیلر ہیں۔ ان کے پاس ہر قسم کی اعلیٰ ترین گندم ہوتی ہے۔ اور شہر کے دولت مند ترین لوگ ان سے ہی گندم خریدتے ہیں اور سال بھر کے لیے اپنی ضرورت کی گندم خرید کر سٹاک کر لیتے ہیں۔"

"آؤ بھئی چلیں۔ اب میاں مجاہد سے ملنا ضروری ہوگیا ہے۔"

وُہ اُسی وقت میاں مجاہد کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ وُہ ایک بہت بڑا محل تھا۔ اس کے دروازوں پر باوردی پہرے دار موجود تھے۔ انھوں نے اپنے کارڈ اندر بھیجے تو کوئی پانچ منٹ بعد مجاہد حسین ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر غرور تھا۔ فخر تھا۔ رعب اور دبدبہ بھی تھا۔

"آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"صدر صاحب اور کمانڈر انچیف صاحب گندم آپ کے ہاں سے خریدتے ہیں؟"

"یہ کون سی نئی بات ہے۔ اور بھی نہ جانے کتنے بڑے لوگ خریدتے ہیں۔ میرا دن رات کا کام ہی یہ ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"شکریہ جناب! انھیں اس سال کون سی گندم دی گئی۔ کیا آپ ہمیں اس گندم کا نمونہ دے سکتے ہیں؟"

"کیوں۔ کیا اس گندم میں کوئی نقص پایا گیا ہے؟"

"اِس بات کا امکان ہے۔"

"دیکھیے انسپکٹر۔ آپ مجھ سے قطعاً کوئی رشوت وصول نہیں کرسکیں گے۔"

"کیا بات کرتے ہیں؟" خان رحمان کو غصّہ آ گیا۔

"نہیں خان رحمان۔ آرام سے۔ ہمیں غصّہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ انھیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم ان سے کیا چیز طلب کرتے ہیں اور کیا نہیں۔"

"کیا مطلب۔ کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟" میاں مجاہد نے بھنّا کر کہا۔

"آپ نے بتایا نہیں۔ انھیں کون سی گندم سپلائی کی گئی ہے؟"

"گودام میں چلے جائیں۔ میرے مُلازم آپ کو گندم دکھا دیں گے۔ آپ اس گندم کا نمونہ لے لیجیے۔

پورے مُلک میں اس سے اچھی گندم نہیں ہوتی۔" اس نے تلملا کر کہا۔

وُہ اسی وقت گودام میں پہنچے۔ مُلازمین کو پہلے ہی میاں مجاہد کی طرف سے ہدایات مل چکی تھیں، لہٰذا انھیں فوراً وُہ گندم دکھائی گئی۔ گندم واقعی بہت اچھی تھی۔ اس کا نمونہ لے لیا گیا۔

اب وُہ صدر کی رہائش گاہ پہنچے۔ اس گندم کو اس نمونے سے ملایا گیا۔ دونوں ایک ہی تھیں، پھر بھی انھیں الگ الگ رکھا گیا۔

اس کے بعد وُہ کمانڈر انچیف کی رہائش گاہ پہنچے۔ وہاں سے بھی گندم حاصل کی گئی۔ وُہ بھی یہی گندم تھی۔ لیکن اس کو بھی الگ رکھا گیا۔ اب ان تینوں کو الگ الگ بند کر کے مختلف لیبارٹریوں کو بھیجا گیا اور پروفیسر داؤد کو بھی۔

تب کہیں جا کر وُہ گھر پہنچے۔

"لاؤ بیگم۔ اب اطمینان سے کھانا کھائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"آپ اور اطمینان سے کھانا کھائیں گے۔" انھوں نے بے یقینی کے انداز میں کہا۔

"ہاں! ہم اپنے حصّے کا آج کا کام مکمل کر آئے ہیں، اب ہمارا کام کل شروع ہو گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

بیگم نے کہا اور کھانا لینے چلی گئیں۔ جونہی وہ کھانے کی ٹرالی لیے ان تک پہنچیں۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ بیگم جمشید نے فوراً کہا:

"میرا مشورہ مانیں۔ یہ فون نہ سُنیں اور پہلے کھانا کھا لیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بیگم؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس طرح کہ فون مَیں سُن لیتی ہُوں۔"

"اچھی بات ہے۔ تم یہ کوشش ضرور کر دیکھو۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

بیگم جمشید نے ریسیور اُٹھا لیا، دُوسری طرف سے پریشان آواز سنائی دی:

"انسپکٹر جمشید۔ ڈیر میں تمھارا انکل بول رہا ہوں۔"

"ان کے تو کوئی انکل ہیں ہی نہیں۔" بیگم جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے شکیلہ بیٹی۔ مجھے نہیں پہچانا؟"

"جی نہیں — بالکل — میں نہیں پہچان سکی، آپ کون ہیں؟" انھوں نے کہا۔

"انکل مون — بھول گئیں۔"

"ہائیں — وزیرِ خارجہ — آپ۔"

"ہاں میں — فون کا ریسیور فوراً انسپکٹر جمشید کو دے دیں — فوری نوعیت کا کام ہے۔"

"لیکن انکل — وہ — دراصل۔" وہ ہکلا کر رہ گئیں۔

"کیا وہ گھر میں نہیں ہیں؟"

"جی گھر میں تو خیر ہیں۔"

"تب پھر کیا بات ہے — کہ فون نہیں سُن سکتے۔" اُدھر سے کہا گیا۔

"بات کچھ ایسی ہی ہے۔"

"خیر — اگر کوئی ایسی ہی مجبوری ہے کہ اس وقت وہ میرا فون نہیں سُن سکتے تو آپ انھیں اتنا تو کہہ ہی سکتی ہیں کہ وہ فوراً یہاں پہنچ جائیں۔"

"جی نہیں — آپ خود ہی بات کر لیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور ان کی طرف بڑھا دیا — وہ مسکرا دیے — ریسیور لے کر بولے:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں سر۔"

"فوراً چلے آؤ جمشید — چاہے تمھیں بڑی مجبوری کیوں نہ ہو — میں — میں پاگل ہونے والا ہوں۔"

"جی — کیا کہا۔"

وہ چلّا اُٹھے —

ٹونی ہاور

وزیرِ خارجہ انھیں بالکل اسی حالت میں ملے جس حالت میں صدر صاحب اور کمانڈر انچیف ملے تھے۔ انھوں نے بالکل ویسی ہی باتیں کیں۔ تمام تفصیلات وہی ثابت ہوئیں۔ آخر میں جب کھانے پینے کی چیزوں کی تفصیلات لی گئیں تو یہ حیرت انگیز بات ان کے سامنے آئی کہ وزیرِ خارجہ کے ہاں بھی گندم میاں مجاہد کے گودام سے ہی آتی ہے۔ اب تو ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے ان کے ہاں موجود گندم کے بھی نمونے لے لیے اور ان نمونوں کو مختلف جگہوں پر بھیج دیا گیا۔

چوبیس گھنٹے بعد انھیں رپورٹیں مل گئیں۔ ان رپورٹوں کے مُطابق گندم میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ ان رپورٹوں نے انھیں اور پریشان کر دیا۔ اس دن کے اخبارات جب ان کے سامنے آئے تو وہ اخبارات کی خبریں پڑھ کر دھک

سے رہ گئے۔ ان خبروں کی رُو سے دماغ کے خالی پن کی اور بھی بہت سی شکایات پائی گئی تھیں اور ڈاکٹروں کی سر توڑ کوشش کے باوجود ابھی تک کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی تھی۔

"اب ہم کیا کریں؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اخبارات میں جن لوگوں کے نام شائع ہوتے ہیں۔ وہ نوٹ کر لیتے ہیں اور ہم سب الگ الگ ان لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ شاید اس طرح کوئی نتیجہ نکل آئے۔"

"ایسے لوگ تو اب بے شمار ہیں۔ خیر یہ بھی کر ہی لیتے ہیں۔ ارے ہاں۔ ایک خاص بات نوٹ کی تم نے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"جی۔ خاص بات۔ کیا مطلب؟"

"جتنے لوگوں کے نام اخبارات میں شائع ہوتے ہیں۔ وہ سبھی مُلک کی اہم جگہوں پر ملازم ہیں۔ سب بڑے بڑے عہدے دار ہیں۔"

"تب پھر یہ ہمارے مُلک کے خلاف کوئی بہت ہی خوف ناک سازش ہے۔ یہ سازش کہ ہماری قوم کے بہترین دماغ بالکل ناکارہ ہو جائیں۔ اور اگر یہ دماغ ناکارہ ہو گئے تو نکمے لوگوں کو عہدے دینا پڑیں گے،

اس طرح پُورا مُلک درہم برہم ہو جائے گا ۔ ابھی تو ہم نے سوچا ہے کہ صدر کی جگہ فی الحال سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کام کریں گے ۔ لیکن ذرا سوچو ۔ اگر چیف جسٹس بھی اسی بیماری کا شکار ہو گئے تو کیا ہو گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اس بار دشمن نے واقعی بہت ہولناک پروگرام بنایا ہے اور اگر ہم نے جلد اس کا سُراغ نہ لگا لیا تو معاملہ بہت خراب ہو جائے گا۔"

"سوال یہ ہے کہ ہم ان حالات میں کیا کریں؟"

"گندم کے بارے میں اور تو ہر جگہ کی رپورٹ مل گئی ہے ۔ لیکن پروفیسر صاحب کی طرف سے ابھی تک رپورٹ نہیں ملی ۔ کیوں نہ ہم ان سے ملاقات کر لیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

وہ اُسی وقت پروفیسر داؤد کی طرف روانہ ہو گئے ۔ وہاں خان رحمان بھی موجود تھے ۔

"تم لوگ ضرور اسی چکر میں آئے ہو گے۔" خان رحمان بولے۔

"اور آپ؟" فارُوق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں ۔ بھئی میرا کیا ہے ۔ میں تو یہاں آتا جاتا ہی رہتا ہوں۔" وہ بولے۔

"اور تو ہر جگہ کی رپورٹ مل گئی ہے۔ ا[illegible] سے نہیں ملی ۔ اور ہمیں انتظار ہے صرف آپ کی [illegible]

"میں نے بہت خاص طریقے سے اس گندم کا [illegible] لیا ہے ۔ اور سچ بات تو یہ ہے کہ اگر کبھی مجھے ایک ہفتہ دیا جاتا تو بالکل صحیح رپورٹ میں اس وقت دے سکتا۔"

"ایک ہفتہ ۔ نہیں پروفیسر انکل ۔ ہمارے پاس ہفتہ کہاں ہم تو بالکل بے ہفتہ ہیں۔" فارُوق نے جلدی جلدی کہا۔

"بھئی کیا مصیبت ہے ۔ تم سے کس نے کہا تھا جواب دینے کے لیے۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں جمشید ۔ مجھے تو اس کا جواب بہت پسند آیا ہے۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"آپ کو تو اس کی ہر بات پسند آتی ہے۔"

"انھیں ہی کیا ۔ مجھے بھی پسند آتی ہے۔" خان رحمان نے کہا ۔

"آپ دونوں نے مل کر اسے سر پر چڑھایا ہے۔"

"ارے باپ رے ۔ بُری بات ہے فارُوق ۔ نیچے اترو ہم دونوں کے سر پر سے۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن انکل ۔ میں ایک ہی وقت میں آپ دونوں کے سر پر کیسے سوار ہو سکتا ہوں ۔ میں کوئی چار ٹانگوں والا

جانور ہوں۔" فاروق گھبرا گیا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے چار ٹانگوں والے جانور دوسروں پر سوار عام دیکھنے میں آتے ہوں۔" محمود نے جل کر کہا۔

"عام دیکھنے میں نہیں آتے ہوں گے تو خاص دیکھنے میں آتے ہوں گے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ابھی چل کر دیکھ لیتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم چلے ہی جاؤ۔ میں سکون اور اطمینان سے پروفیسر صاحب سے رپورٹ تو سن سکوں گا۔"

"ارے باپ رے۔ رپورٹ۔ رپورٹ سنے بغیر تو ہم بھی نہیں جا سکتے۔" فاروق گھبرا گیا۔

"تو پھر اس کے لیے کچھ دیر کے لیے خاموش ہونا پڑے گا۔"

"یہ کیا مشکل ہے۔ رپورٹ سننے کے لیے تو ہم گھنٹوں خاموش رہ سکتے ہیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"ہاں اور کیا۔ بھلا خاموش رہنا بھی کوئی کام ہے۔" محمود نے کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ نہ جانے کیوں کہتے کہتے رک گیا۔"

"دیکھ لیا آپ نے۔ ناک میں دم کر کے رکھ دیتے ہیں یہ۔ اور آپ دونوں کہتے ہیں کہ ان کی باتیں مزا دیتی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"وہ تو خیر اب بھی دے رہی ہیں۔" پروفیسر داؤد مسکرا کر بولے۔

"دھت تیرے کی۔ سن لی ہم نے رپورٹ۔"

"ہائیں انکل! یہ آپ نے رپورٹ کس طرح سنائی ہے، یعنی ابا جان نے سن لی اور ہم نے بالکل نہیں سنی۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کھی کھی۔ کھی کھی۔" خان رحمان اور پروفیسر داؤد ہنسنے لگے۔

"اچھی بات ہے۔ پہلے تم خوب جی بھر کر باتیں کر لو۔ میں رپورٹ بعد میں لے لوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"لیجیے۔ ہم بالکل خاموش ہو گئے اور اب جب تک آپ ہمیں اجازت نہیں دیں گے۔ ہم منہ نہیں کھولیں گے۔" یہ کہہ کر فاروق نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"لیکن اس کے لیے منہ پر ہاتھ رکھنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ضرورت کی بھی ایک ہی کہی۔ بھئی ضرورت کا کیا ہے،

کسی چیز کی بھی کسی وقت بھی پڑ سکتی ہے۔"

"بات تو یہ بھی ٹھیک ہے ۔۔ لیکن ہم تو خاموش ہونے کی بات کر رہے تھے۔"

"بات کا بھی کیا ہے ۔ بات تو ہم کسی بات کی بھی کر سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"آپ نے دیکھ لیا۔ اس طرح خاموش ہوتے ہیں یہ۔"

"تم تو بلا وجہ غصّہ کر رہے ہو۔ یہ لو رپورٹ۔ تم رپورٹ پڑھتے رہو۔ یہ ہم سے باتیں کرتے رہیں گے ۔۔ میں نے تحریری رپورٹ تیار کر لی تھی۔"

"اوہ ۔ بہت بہت شکریہ۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

پھر جونہی وہ رپورٹ پڑھنے لگے ۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ان کے ساتھ رپورٹ پر جھک گئے اور جلدی جلدی پڑھنے لگے۔

"یہ کیا ۔ تم تو باتوں کو بھول کر رپورٹ پڑھنے لگے۔"

"کیا کیا جائے ۔ رپورٹ پڑھے بغیر تو ہم بھی نہیں رہ سکتے۔" محمود نے منہ بنایا۔

پھر وہ پڑھتے چلے گئے ۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں ۔ آخر رپورٹ ختم کر کے انھوں نے سر اُٹھا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"کمال ہے ۔ یہ رپورٹ اور کسی ماہر نے نہیں دی۔"

"وہ دے بھی نہیں سکتے ۔ صرف گندم کا معائنہ کرنے سے رپورٹ حاصل ہو بھی نہیں سکتی تھی ۔ میں نے تو اپنے چڑیا گھر کے مختلف جانوروں پر اس گندم کے تجربات کیے ہیں ۔ گندم کا عرق نکال کر زیادہ مقدار میں بندروں اور دوسرے جانوروں کو دیا ہے ۔ اور پھر ان کا بغور معائنہ کیا ہے ۔ یقین کرو جمشید ۔ جو جانور کبھی بھی ایک دوسرے سے نہیں لڑے تھے ، اس گندم کے استعمال کے بعد انھوں نے لڑ لڑ کر ایک دوسرے کو لہولہان کر دیا ۔ اور اگر میں انھیں الگ الگ نہ کر دیتا تو وہ لڑتے لڑتے مر ہی جاتے ۔ الگ الگ کرتے وقت انھوں نے مجھ پر بھی حملہ کرنے کی کئی بار کوشش کی ۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے ان کے دماغ بالکل خراب ہو گئے ہوں ۔ اور ایک خاص بات کا ذکر میں نے رپورٹ میں کیا ہی نہیں۔"

"جی کیا مطلب ۔ کون سی بات؟"

"مطلب یہ کہ میں نے اس گندم کے عرق کی ایک

خوراک خود پر بھی آزمائی تھی ۔ عرق اس لیے تیار کیا گیا کہ فوراً اس کا اثر ظاہر ہو جائے ۔ ورنہ گندم تو شاید ایک ہفتے ۔ یا پھر شاید کئی ہفتے تک مسلسل کھانا پڑتی۔" انھوں نے کہا۔

"پھر آپ نے کیا محسوس کیا؟"

"صبح سے کئی بار میں یہ محسوس کر چکا ہوں ۔ جیسے میں دماغی طور پر بالکل بے کار ہو جاؤں گا ، لیکن میں نے عرق کی بہت تھوڑی مقدار لی تھی ۔ کہیں میں زیادہ لے لیتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔"

"ہم اس کا وسیع پیمانے پر تجربہ کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"وہ کیسے؟" خان رحمان اور پروفیسر داؤد ایک ساتھ بولے۔

"جیل میں موت کی سزا پانے والے قیدیوں پر ۔ ان کے دماغ اگر خالی ہو گئے تو بھی کیا ہے ۔ پھانسی تو انھیں ہونے ہی والی ہو گی۔"

"میرا خیال ہے ۔ قانون ہمیں اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔"

"لیکن اگر ہم قیدیوں کو رضا مند کر لیں تو قانون منع نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے ، لیکن قیدی کیوں رضا مند ہونے لگے۔" خان رحمان بولے۔

"ہم انھیں بتائیں گے ۔ کہ یہ معاملہ ملک کے مفاد میں ہے ۔ ان پر کیا گیا تجربہ ملک اور قوم کے کام آئے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اچھی بات ہے ۔ میں مزید عرق تیار کر لیتا ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

اور پھر عرق دس قیدیوں پر استعمال کرایا گیا ۔ انھیں اس عرق کے سوا اور کوئی چیز نہیں دی گئی ۔ جلد ہی انھوں نے بتایا ۔ وہ خود کو بالکل پاگل محسوس کر رہے ہیں ۔ انھیں کسی بات کا کوئی احساس نہیں رہ گیا ۔ یہاں تک کہ پھانسی پانے کا بھی کوئی فکر نہیں رہ گیا ۔ ان میں سے دو تین تو آپس میں لڑ بھی پڑے اور ایک دوسرے کو مارنے پر تُل گئے ۔ انھیں الگ الگ کر دیا گیا ۔

انسپکٹر جمشید نے وہیں سے اکرام کو فون کیا:

"اکرام! میاں مجاہد کے محل کو گھیرے میں لے لیا جائے ۔ ابھی انھیں گرفتار نہ کیا جائے ۔ لیکن وہ اپنے گھر سے کہیں جا بھی نہیں سکتے ۔ گھیرے میں لینے سے

پہلے یہ اطمینان کر لینا کہ وہ گھر میں ہے یا نہیں۔"

"او کے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔ وہ جہاں بھی ہو گا، ہم اسے گھیرے میں لے لیں گے۔"

آدھ گھنٹے بعد اکرام کی طرف سے انھیں فون ملا:

"سر! آپ فوراً یہاں آ جائیں۔ میں بہت مشکل میں ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بس۔ آپ آ جائیں۔ میاں مجاہد کے محل کے سامنے۔" اکرام نے کہا۔

"اچھی بات ہے اکرام۔"

وہ پروفیسر داؤد اور خان رحمان کے ساتھ اسی وقت وہاں پہنچے۔ وہاں بڑے بڑے آفیسر موجود تھے۔ میاں مجاہد بھی وہاں موجود تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ اور آفیسرز کا پارہ بھی چڑھا ہوا تھا۔ ان پر نظر پڑتے ہی ایک آفیسر نے چلا کر کہا۔

"یہ۔ یہ کیا ہے انسپکٹر جمشید۔ آپ نے میاں مجاہد کو گھیرے میں کیوں لیا ہے؟"

"تاکہ میرے سوالات کے جوابات دیے بغیر یہ کہیں نہ جا سکیں۔"

"تو پھر آپ کو اپنے آدمیوں کے ساتھ خود آنا چاہیے تھا۔"

"معلوم نہیں تھا کہ یہ گھر پر ملیں گے یا نہیں۔ جونہی فون ملا، میں چلا آیا۔"

"ان پر کیا الزام ہے؟"

"ایسی گندم فروخت کرنے کا۔ جو ہمارے پورے ملک کا بیڑا غرق کر سکتی ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی پوری تفصیل ان سب کو سنا دی۔

"لیکن اس گندم میں اگر کوئی خرابی ہے۔ تو اس میں میاں مجاہد کا کیا قصور۔ آپ جا کر زمیندار کو پکڑیں۔" ایک آفیسر نے کہا۔

"اس بات کا فیصلہ ابھی کرنا ہے کہ مجرم زمیندار کا ہے یا میاں مجاہد کا۔ لہٰذا یہ بھی نظر بند رہیں گے اور وہ زمیندار بھی۔ مسٹر میاں مجاہد۔ تمام بڑے بڑے لوگوں کو جو خاص گندم آپ دیتے رہے ہیں۔ وہ کس زمیندار کے کھیت کی ہوتی ہے؟"

"لیکن وہ گندم تو میں سالہاسال سے انھیں دے رہا ہوں۔"

میاں مجاہد نے کہا۔

"تب پھر گندم کے ساتھ گڑبڑ اسی سال کی گئی ہوگی، آپ زمیندار کا نام بتائیں۔"

"ٹونی ہاور۔" اس نے کہا۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ بولے۔

خوفناک جُرم

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے — آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"آپ نے کیا نام لیا — ٹونی ہاور — وہ جو پچھلے دنوں جیل میں تھا — جس کا مکان جنگل میں ہے — اور اس مکان کے چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہیں۔"

"ہاں! وہ تمام کھیت اس کے ہیں — وہ بہت پرانا زمیندار ہے — اس کے کھیتوں کی گندم پورے ملک سے بہت بہتر ہے — بلکہ اس سے اچھی گندم تو آج تک ملک میں پیدا ہی نہیں ہوئی۔"

"بہت خوب! اکرام یہ ابھی زیرِ حراست رہیں گے۔"

"لیکن سر! میں ان لوگوں کا کیا کروں؟"

"یہ لوگ مجھ سے بات کریں — تم سے نہیں۔" وہ بولے۔

"ہم آپ سے بھی کیوں بات کریں — ہم بات کریں

گے ۔ صدر سے، آئی جی سے۔"

"ضرور ۔ کیوں نہیں۔"

وہ اسی وقت نیلم، جیکی اور ٹیکی کے پاس پہنچے:

"گندم بونے کے دوران اور اس کے بعد گندم سٹور کرنے تک ۔ کیا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جاتا رہا ہے؟"

"نن ۔ نہیں تو جناب ۔ یہ آپ سے کس نے کہ دیا۔"

"آپ لوگ خود بھی وہی گندم کھاتے رہے ہیں؟"

"زندگی بھر یہی گندم کھاتے رہے ۔ لیکن اس سال ہمیں نقلی ڈیڈ نے وہ گندم نہیں کھانے دی تھی۔"

"کیا کہا ۔ نہیں کھانے دی تھی؟"

"ہاں!" وہ بولے۔

"اور نہ خود کھائی تھی؟"

"نہیں! اس نے خود بھی وہ گندم نہیں کھائی ۔ ہمارے پوچھنے پر اس نے کہا تھا کہ اس مرتبہ اسے شک ہے ۔ گندم اچھی نہیں ہے ۔ اس میں ضرور کوئی گڑبڑ ہے ۔ ہم نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی اور بازار سے اپنے لیے سال بھر کی گندم خرید لاتے تھے۔"

"اور یہ گندم آپ نے میاں مجاہد سے خریدی ہو گی؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں بالکل!"

"اس نے وجہ نہیں پوچھی تھی؟"

"پوچھی تھی ۔ ہم نے کہ دیا تھا کہ ایک ہی طرح کی گندم کھاتے کھاتے ہم اکتا گئے ہیں ۔ وہ ہنس پڑا تھا ۔ اور ہمیں گندم دینے کی ہدایات اپنے ملازم کو دے دی تھیں۔"

"شکریہ! آپ لوگوں کے لواحقین کی تلاش کا کام شروع کر دیا گیا ہے ۔ جلد کوئی نتیجہ نکلے گا۔"

"بہت بہت شکریہ!" وہ ایک ساتھ بولے۔

وہ وہاں سے جنگل میں پہنچے ۔ ٹونی ہاور کی حالت بہت خراب تھی ۔ مارے غصے کے اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا ۔ انھیں دیکھ کر اور زیادہ نکلنے لگا:

"تم لوگ آخر ہو کیا چیز۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"کیوں ۔ کیا ہوا؟"

"میں نے سنا ہے ۔ میاں مجاہد کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔"

"اوہو ۔ بہت جلد خبر پہنچ گئی یہاں ۔ ٹیلی فون تو یہاں ہے نہیں۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بس پہنچ گئی کسی طرح۔"

"یہ گندم کا کیا چکر ہے؟"

"تم۔ صحرا میں بھٹک رہے ہو۔ کچھ نہیں ملے گا۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بھلا میں گندم میں گڑبڑ کس طرح کر سکتا ہوں۔"

"تب پھر اس کے کھانے سے آدمی خود کو پاگل پاگل کیوں محسوس کرنے لگتا ہے۔"

"پتا نہیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی ہوگا۔"

"میں نے ہمیشہ کی طرح گندم اس سال بھی اگائی تھی اور کٹوائی تھی۔ گندم سٹور کرتے وقت بھی میں نے اس میں کوئی چیز نہیں ملائی۔ اگر کوئی چیز ملائی ہے تو آپ عدالت میں یہ بات ثابت کر دیں۔"

"وہ ہم کریں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔"

"تو بس پھر۔ جب عدالت میں یہ بات ثابت ہو جائے گی۔ مجھے پھانسی پر چڑھوا دینا۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔" اس نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"اچھا۔ صرف یہ بتا دو۔ تم نے اس مرتبہ خود کیوں اپنی گندم نہیں کھائی۔"

"کیا مطلب۔ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟"

"آپ نے تینوں نقلی بچوں نے۔"

"نہیں۔" وہ چلا اٹھا۔

"چل کر پوچھ لیں ان سے، آپ نے اس بار اپنے استعمال کی گندم میاں مجاہد سے منگوائی تھی۔ جب کہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" اس نے ڈھیلے انداز میں کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"میں نے گندم میں کوئی چیز نہیں ملائی۔ یہ بات لکھ لیں۔ اور نہ آپ اس بات کو کبھی عدالت میں ثابت کر سکیں گے۔" اس نے بھناتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔ اب ہم پہلے ملاوٹ ثابت کریں گے، پھر آپ کے پاس آئیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے ناخوشگوار انداز میں کہا اور پھر وہ وہاں سے نکل آئے۔ لہلہاتے کھیت انھیں اپنا مذاق اڑاتے محسوس ہوئے۔

"کیوں نہ ہم ان کھیتوں کا بھی جائزہ لے لیں۔" ایسے میں فرزانہ بول اٹھی۔

"اس میں کوئی حرج نہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"لیکن اس کا فائدہ بھی کیا ہوگا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا فائدہ ہو گا۔ اتنا ہم ضرور کہ سکتے ہیں کہ نقصان کچھ نہیں ہو گا۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم کھیتوں کا جائزہ لیں گے۔"

وہ ان کے درمیان گھومنے لگے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے کسان انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے، پھر انسپکٹر جمشید نے انہیں ایک جگہ جمع کیا۔

"اگر تم لوگ سچ سچ بتا دو تو حکومت بہت بڑا انعام تم لوگوں کو دے گی۔"

"لیکن ہم سچ سچ کیا بتا دیں؟" ایک نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ۔ ٹونی ہاور گندم میں کس چیز کی ملاوٹ کرتا ہے؟"

"نہیں جناب! یہ بالکل غلط ہے۔ ہم اس کے صرف ملازم ہیں۔ وہ بھی وقتی ملازم۔ مستقل ملازم نہیں۔ بونے کے دنوں میں اور فصل کی کٹائی کے دنوں میں ہمیں ملازم رکھ لیا جاتا ہے۔ سارا سال تو ہم ان کے ملازم بھی نہیں ہوتے۔ ہم بس ہر سال گندم بوتے ہیں، ہم ہی کاٹتے ہیں۔ لیکن ٹونی ہاور یا اس کے بچوں نے آج تک کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہیں کی۔"

"کیا خبر۔ وہ تم لوگوں کی نظریں بچا کر کچھ ملا دیتے ہیں۔"

"سیکڑوں بوریاں ہوتی ہیں صاحب جی۔ وہ کس کس

بوری میں ملاوٹ کریں گے اور پھر ہم بوریاں بھرتے ہیں، ہم ہی مال ٹرک پر لدوا کر مارکیٹ میں پہنچاتے ہیں۔ ملاوٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ ملاوٹ میاں مجاہد کرتا ہے۔"

"ہاں! اگر گندم میں کوئی ملاوٹ کی جا سکتی ہے تو یہ کام میاں مجاہد کر سکتا ہے، ٹونی ہاور نہیں کر سکتا۔"

"آپ لوگ میرے ساتھ دفتر تک چلیں گے؟" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی ہم۔ کیا مطلب۔ کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی؟"

"نہیں۔ غلطی کی بات نہیں۔ وہاں ذرا آپ لوگوں سے کھل کر باتیں ہوں گی۔"

"یقین جانیں۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔" ایک نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"ارے! تو ہم نے کب کہا ہے کہ آپ لوگوں نے کوئی جرم کیا ہے؟"

"تب پھر آپ ہمیں ساتھ لے جانا چاہتے ہیں؟"

"بتایا تو ہے۔ کچھ باتیں کریں گے۔ پھر آپ کو واپس یہاں بھی پہنچائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم ٹونی ہاور صاحب کو بتا دیں۔"

"ضرور بتا دیں۔ محمود تم ان کے ساتھ جاؤ۔"

"جی ضرور۔ کیوں نہیں۔ آئیے صاحب۔"

وہ محمود کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ جلد ہی ان کی واپسی ہوئی۔

"انھیں کوئی اعتراض نہیں۔" محمود نے کہا۔

وہ ان لوگوں کو لے کر دفتر آئے۔ اپنے کمرے میں انھیں پہلے چائے پلوائی۔ انھیں خاص قسم کی مزے دار چیزیں کھلائیں۔ پھر انسپکٹر جمشید نے ان سے کہا:

"ٹونی ہاور ایک غیر ملکی آدمی ہے۔ آپ لوگ تو مسلمان ہیں نا۔ ہمارے ملک کے خلاف ایک بہت خوف ناک سازش کی گئی ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے۔ ہم اس سازش کو بے نقاب کر دیں اور اپنے ملک کو خطرے سے بچالیں۔"

"بھلا ہم کیوں نہ چاہیں گے۔"

"شکریہ۔ تو پھر بتا دیں۔ یہ ٹونی ہاور گندم کے ساتھ کیا کرتا ہے؟"

"کچھ نہیں کرتا۔ یقین جانیں۔"

"سنو بھئی۔ ٹونی ہاور کے تینوں بچوں کا کہنا ہے کہ ہر سال وہ اپنے ہی کھیتوں کی گندم کھاتے ہیں، لیکن اس مرتبہ اس نے بازار سے گندم منگوائی۔ اپنے کھیتوں کی

گندم خود نہیں کھائی۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے۔ یہ تو اس نے ہمارے ساتھ بھی کیا ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیا کیا ہے آپ کے ساتھ؟"

"ہمیں بھی اس نے اس گندم کو استعمال نہیں کرنے دیا۔ بازار سے منگوائی ہوئی گندم ہمارے گھروں میں بھجوائی ہے۔"

"اوہ! اب بھی تم کہتے ہو کہ اس گندم میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔ اس نے بازار کی گندم جب ہمیں دی تو یہ کہا تھا کہ اس کے کھیتوں کی گندم بہت خاص لوگ کھاتے ہیں۔ بہت مہنگی بکتی ہے۔ میں تم لوگوں کو اتنی مہنگی گندم نہیں دے سکتا۔ بلکہ خود بھی نہیں کھا سکتا۔ پہلے ضرور کھاتا رہا ہوں، اب نہیں کھاؤں گا۔ اب اس گندم کے نرخ اور بڑھ گئے ہیں۔"

"اوہ! اس نے یہ وجہ بتائی تھی۔"

"ہاں جناب! اور یہ وجہ ہے بھی درست۔ کیونکہ اس کے کھیتوں کی گندم اور دوسرے کھیتوں کی گندم کی قیمتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"ہوں۔ خیر۔ ہم اس پہلو سے بھی جائزہ لیں گے،

"تو تم یقین سے کہتے ہو کہ ٹونی ہادر تم لوگوں کے ذریعے کوئی ملاوٹ نہیں کرواتا؟"

"گندم میں ملاوٹ کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جناب۔" ایک نے کہا۔

ان کی آنکھوں سے اور لہجے سے سچ جھانک رہا تھا۔

وُہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اب ان کا رُخ ایک بار پھر میاں مجاہد کی طرف تھا۔ میاں مجاہد نے ناخوش گوار انداز میں ان کا استقبال کیا۔ چہرے پر غصّہ بھی تھا:

"ہمیں افسوس ہے۔ ہم آپ کو پھر زحمت دینے آ گئے۔"

"خیر فرمایئے۔"

"ہم نے یقین کر لیا ہے۔" فارُوق مسکرایا۔

"کس بات کا؟"

"اس بات کا کہ ٹونی ہادر گندم میں قطعاً کوئی ملاوٹ نہیں کرتا۔"

"تو پھر۔ مجھے اس سے کیا؟"

"لیکن ملاوٹ گندم میں کی جاتی ہے، یہ بات بھی ہے۔"

"تو پھر۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ملاوٹ مَیں کرتا ہُوں؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"آپ کافی سمجھ دار ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"آپ اس بات کو ثابت کر کے مجھے پھانسی پر چڑھوا دیں۔ سُنا آپ نے؟" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"جی ہاں سُن لیا۔ اس قدر بلند اور تیز آواز بھی ہم نہیں سُنیں گے تو پھر کیا سُنیں گے۔" فارُوق نے بُرا منہ بنایا۔

"گندم کا کئی لیبارٹریز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ ان تمام جائزوں سے ہم صرف اور صرف اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ گندم میں کوئی ایسی چیز شامل کی جاتی ہے کہ وُہ کھانے والے کے دماغ کو بالکل خالی کر دیتی ہے۔ اور اس طرح اب تک مُلک کے اہم ترین لوگ اپنے دماغوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ یہ اتنا بڑا اور خوف ناک جرم ہے کہ میں کیا بتاؤں؟"

"آپ نہ بتائیں۔ ہم بتائے دیتے ہیں۔" فارُوق فوراً بولا۔

"چُپ رہو۔ ہاں تو پھر جناب! آپ کیا کہتے ہیں؟"

"کہہ چکا ہوں۔ اس بات کو ثابت کر دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم ثابت کر کے دکھائیں گے۔" فرزانہ نے غصّے کے عالم میں کہا۔

"ہم آپ کے گودام کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"آپ کے پاس تلاشی کا وارنٹ تو ہو گا نہیں۔"

"ہے تو نہیں۔ لیکن ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہے تو نہیں ، لیکن ہے — یہ کیا بات ہوئی ؟"

"یہ بات اس طرح ہوئی کہ ہم وارنٹ کے بغیر بھی تلاشی لے سکتے ہیں۔"

یہ کہ کر انھوں نے خصوصی اجازت نامہ دکھایا۔ اس نے کندھے اُچکا دیے۔

"ٹھیک ہے جناب! آپ واقعی تلاشی لے سکتے ہیں۔"

انھوں نے اس کے گودام کی تلاشی لی۔ اس خاص گندم کی بے تحاشہ بوریاں وہاں لگی ہوئی تھیں۔ ان سب میں سے نمونہ لیا گیا۔ گودام کے ملازمین سے بھی سوالات کیے گئے ، لیکن ان کی کسی بات سے یہ ظاہر نہ ہوا کہ وُہ اس گندم میں کچھ ملاتے رہتے ہیں۔ آخر یہ تمام نمونے بھی پروفیسر داؤد کے حوالے کر دیے گئے۔ اب وُہ باہر نکل آئے:

"ابّا جان! ایک بات بالکل سامنے کی ہے۔"

"اور وُہ کیا؟"

"جو گندم وہاں موجود ہے — میرا مطلب ہے — ٹونی ہاور کے ہاں — ہم صرف اسے کیوں چیک نہیں کرا لیتے — اگر اس میں کچھ نہیں ہے — تو وُہ بے گناہ ہے — اس کے ساتھ یہاں موجود گندم کا بھی جائزہ لے لیا جائے — اگر یہاں والی گندم میں وُہ بات مل گئی تو سمجھ لیجیے گا —

ملاوٹ اس گودام میں کی جاتی ہے ، ٹونی ہاور کے ہاں نہیں۔"

"ترکیب ٹھیک ہے — میاں مجاہد کی گندم کے نمونے ہم لے چکے ہیں۔ اکرام کے ذریعے وہاں سے بھی منگوا لیتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔" انھوں نے فوراً کہا۔

یہ تجربہ کیا گیا — اور دونوں گندموں کی رپورٹ وہی موصول ہوئی جو پروفیسر داؤد پہلے ہی بتا چکے تھے —

نیا رُخ

دونوں طرف کی گندم غلط ہے — لیکن اب ہم ملاوٹ
کے خلاف کیا ثبوت حاصل کریں — پروفیسر صاحب۔ آخر گندم
میں کیا چیز ملائی گئی ہے — اصل سوال تو یہ ہے۔"

"ان دونوں کو ہی گرفتار کرنا پڑے گا۔" محمود نے کہا۔

"لیکن مجرم تو دونوں میں سے صرف ایک ہے۔ بلکہ ہو
سکتا ہے، ایک بھی نہ ہو۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! جب تک ہم جُرم ثابت نہیں کر دیتے — اس
وقت تک کسی کو گرفتار کرنا ہمارے اُصول کے خلاف ہے،
مجھے ان پولیس آفیسرز سے شدید نفرت ہے اور اختلاف
ہے — جو جرم ثابت ہوئے بغیر ایسے تمام لوگوں کو گرفتار
کر لیتے ہیں، جن پر ذرا سا بھی شک ہو — اور اگر ایسے
آدمی مارے خوف کے اِدھر اُدھر چھپ جائیں تو ان کی عورتوں
کو پکڑ کر تھانے لے جاتے ہیں — یہ کس قدر غیر قانونی

بات ہے — قانون ہمیں اس بات کی اجازت ہرگز نہیں
دیتا کہ جُرم کوئی کرے — اور پولیس پکڑ کر لے جائے
اس کی ماں کو، بہن کو یا بیوی کو یا پھر بچوں کو یا پھر
بوڑھے باپ کو — اور ان پر ظلم بھی ڈھائے — جب کہ
ابھی اس شخص پر جرم بھی ثابت نہیں ہوا ہوتا — میں کہتا
ہوں — جس پر جرم ثابت ہو جائے، صرف اسے گرفتار
کیا جائے۔" انسپکٹر جمشید نے جذباتی انداز میں اچھی بھلی
تقریر کر دی۔

"بالکل ٹھیک ابا جان — ہم ان شاء اللہ اپنے ملک سے
اس بُرائی کو ختم کریں گے۔" محمود نے پختہ لہجے میں کہا۔

"ابھی ہم ان دونوں پر جرم ثابت نہیں کر سکے — جب تک
یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان دونوں میں سے کس نے کیا چیز گندم
میں شامل کی ہے — اس وقت تک ہم ان کے خلاف کوئی
قدم نہیں اٹھائیں گے — اب کام ہے ماہرین کا — وہ یہ پتا
چلائیں — اس گندم میں آخر ملاوٹ کس چیز کی کی گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے جمشید — میں اور دوسرے ماہرین — یہ معلوم
کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی — انسپکٹر جمشید نے ریسور
اٹھایا تو دوسری طرف سے وزیرِ داخلہ بات کر رہے تھے:

"جمشید — مجھے بھی وُہی کچھ ہو گیا ہے — جو اس وقت تک کئی اہم لوگوں کو ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب — کیا آپ بھی اپنا دماغ خالی خالی محسوس کر رہے ہیں؟"

"ہاں بالکل خالی — بس یوں سمجھ لو۔ ایک پاگل میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں رہ گیا — اور میں اب اس عہدے پر ایک منٹ کے لیے بھی برقرار نہیں رہ سکتا، میں استعفیٰ دے رہا ہوں۔"

"کیا فرمایا آپ نے — آپ استعفیٰ دے رہے ہیں۔" وُہ چونکے۔

"ہاں! اور کیا کروں۔"

"آپ پہلے اپنا علاج کرائیں — جیسا کہ دُوسرے کرا رہے ہیں — اور فی الحال چھٹی لے لیں۔"

"نہیں! میں خود کو اب اس قابل محسوس نہیں کر رہا۔ میری حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے۔"

"اوہ ہاں! آپ گندم کیا میاں مجاہد کے ہاں سے منگواتے ہیں؟"

"ہاں!"

"آپ وُہ گندم کھانا بالکل چھوڑ دیں۔"

"کیوں — گندم میں کیا بات ہے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس گندم میں ہی سب کچھ ہے — یہ ساری گڑبڑ اس گندم کے ذریعے پھیلائی جا رہی ہے — یہ ہمارے ملک کے خلاف سازش ہے۔"

"اوہ اوہ — تو پھر میاں مجاہد کو گرفتار کیوں نہیں کیا گیا اب تک۔"

"میاں مجاہد یہ گندم ٹونی ہادر سے خریدتا ہے — دونوں میں سے ایک کے خلاف بھی ابھی تک ہم ملاوٹ کا جرم ثابت نہیں کر سکے — جونہی ہم جرم ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے — مجرم کو گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"یہ تو آپ نے اور عجیب بات سُنائی — کیا ہم جرم ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ہاں بالکل! آپ فکر نہ کریں۔"

"خیر میں فی الحال استعفیٰ دینے سے رک جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"وزیرِ داخلہ بھی گئے کام سے — کیوں نہ ہم ملک میں اعلان کرا دیں — نہ جانے اور کتنے لوگ میاں مجاہد سے یہ گندم خرید کر کھا رہے ہیں۔"

"اوہو۔ ارے۔" فرزانہ زور سے چونکی۔

"آگئی کوئی بات اس کے تو ذہن میں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! آگئی — تم جلتے رہو۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"جلتا ہے میرا جوتا۔" فاروق نے اس کے انداز میں ہنس کر کہا۔

"وہ بات کہیں رہ نہ جائے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"میری یادداشت اس قدر کمزور نہیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"خیر آج یہ بات بھی معلوم ہو گئی۔"

"کون سی بات؟"

"یہ کہ تمھاری یادداشت کسی قدر کمزور ضرور ہے۔"

"حد ہو گئی — ارے بھئی اس سے پہلے وہ بات تو معلوم کر لو، جس پر چونکی ہے۔"

"اس کا کیا ہے ابا جان — یہ تو بات بے بات چونک اُٹھتی ہے۔" فارُوق نے کہا۔

"میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شکریہ ابا جان۔" فرزانہ خوش ہو گئی۔

"ہاں تو کس بات پر چونکی تھیں تم؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ابا جان — کہ صدر صاحب تو خود

کو دماغی طور پر خالی محسوس کرنے لگ جائیں، لیکن ان کے گھر والے کوئی ایسی بات محسوس نہ کریں۔"

"ارے!" وہ ایک ساتھ اُچھل کر کھڑے ہو گئے، کیونکہ یہ بات ہی ایسی تھی —

"کمال ہے — ہم گندم کے چکر میں اُلجھے رہے اور اس طرف دھیان ہی نہیں گیا کہ گندم تو گھر کا ہر فرد کھاتا ہے — آؤ چلیں۔"

وُہ اسی وقت صدر صاحب کی رہائش گاہ پہنچے — صدر صاحب ڈاکٹروں کی ٹیم کے درمیان گھرے ہوئے تھے — گھر کے باقی افراد بھی وہیں جمع تھے — انھیں بھی وہیں بُلا لیا گیا:

"اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟"

"اس سے بھی بدتر — سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔" وُہ بولے۔

"میاں مجاہد کے ہاں سے جو گندم آپ منگواتے رہے ہیں، کیا وُہ گندم صرف آپ کھاتے ہیں؟"

"نہیں تو — یہ کیا بات پوچھی تم نے؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کے گھر کے باقی افراد تو ایسا محسوس نہیں کر رہے؟"

"نہیں — یہ لوگ بالکل ٹھیک ہیں — کیوں بھئی، تم تو

اپنے دماغ کو خالی خالی محسوس نہیں کرتے۔"

"بالکل نہیں۔ ہم ٹھیک ہیں۔"

"اُف مالک۔ یہ کیا چکر ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"کیا ہوا جمشید؟" صدر صاحب نے بھی گھبرا کر کہا۔

"ہماری اُلجھنوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ اب تک کی ہماری رپورٹ یہ ہے کہ جو کچھ گڑبڑ کی گئی ہے، اس گندم میں کی گئی ہے۔ لیکن اب یہ بات بھی بالکل غلط ثابت ہو گئی ہے۔ اگر گڑبڑ گندم میں ہوتی تو پھر آپ کے گھر کے ہر فرد کی حالت آپ جیسی ہوتی۔"

"اوہ ہاں بالکل! یہ بات تو ہے۔"

"اچھا خیر۔ ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں کہ جلد اس معاملے کا سُراغ لگ جائے۔ آپ دُعا کریں۔"

اور وہ وہاں سے نکل آئے۔ اب انھوں نے وزیرِ خارجہ کے گھر کا رُخ کیا۔ ان کے گھر کے کسی فرد کو بھی یہ بیماری نہیں ہوئی تھی۔ پھر انھوں نے کمانڈر انچیف کے گھر جا کر معلوم کیا۔ ان کے گھر کے بھی تمام افراد بالکل ٹھیک تھے۔ تھک ہار کر وہ گھر آئے۔

"اب کیا کہتے ہو جمشید؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ کہ گندم میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ دماغوں میں خرابی کسی اور ذریعے سے کی گئی ہے اور اسی لیے ہماری تفتیش کی گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔"

"لیکن یہ تو اب بھی آگے نہیں بڑھ رہی ابا جان۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب ہم اس کیس کا نئے رُخ سے جائزہ لیں گے۔ اب تک ہماری ساری توجہ گندم پر رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اور وہ نیا رُخ کیا ہو گا؟"

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ان اہم ترین شخصیات کے دماغ سازش کے تحت خراب کیے گئے ہیں اور سازش کتنی ہی چالاکی سے کی جائے۔ آخرکار پکڑی جاتی ہے، اس کا سُراغ لگ ہی جاتا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہ کام کسی دوا کے ذریعے لیا گیا ہے۔ اور دوا کسی ڈاکٹر کے ذریعے ہی دی گئی ہو گی۔ ہمیں ان کے ڈاکٹر حضرات کو چیک کرنا پڑے گا۔"

"لیکن ان کے ڈاکٹر ایک تو ہیں نہیں۔ جب کہ ہر گھر کے لیے ایک ایک ڈاکٹر بھی نہیں مقرر کیا جا سکتا۔"

"دیکھنا ہو گا بھئی۔ یوں معلوم نہیں ہو سکے گا۔" انسپکٹر

جمشید نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

" میرے خیال میں ابّا جان ۔ ہمیں ان تمام حضرات کے حالات کا ایک بار پھر سے جائزہ لینا چاہیے ۔ یہ اس گندم کے علاوہ کوئی ایسی چیز تو نہیں کھاتے رہے ۔ جو گھر میں ان کے علاوہ کوئی اور نہ کھاتا رہا ہو۔"

" اس پہلو سے بھی غور کریں گے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے ریسیور اُٹھا کر صدر صاحب کے نمبر ملائے ۔ فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی:

" سر ۔ ان دنوں آپ کس کس ڈاکٹر سے علاج کرواتے رہے ہیں؟"

" چار پانچ سے۔"

" ان کے نام لکھوا سکتے ہیں۔"

" جمشید ! تم میرے سیکرٹری سے بات کر لو ۔ اس کے پاس ہر طرح کی معلومات ہیں۔"

" جی بہتر!" وہ بولے ۔ اب انھوں نے سیکرٹری کے نمبر ملائے ۔ جواب ملنے پر انھوں نے اپنا سوال دہرایا:

" اس ماہ کے دوران صدر صاحب نے صرف چار ڈاکٹروں سے اپنا علاج کرایا ۔ ان کے نام یہ ہیں ۔ ڈاکٹر ریحان خاور، ڈاکٹر امتیاز گوگر، ڈاکٹر نسیم گورمانی، ڈاکٹر فاخر انصاری۔"

" ان لوگوں نے صدر صاحب کو کیا کیا دوائیں دیں ۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں؟"

" جی نہیں ۔ یہ وہ لوگ ہی بتا سکتے ہیں۔"

" ان کے علاوہ تو کسی اور ذریعے سے کوئی دوا انھوں نے نہیں لی؟"

" میرے علم میں تو نہیں۔"

" اب جو ڈاکٹر انھیں دیکھ رہے ہیں ۔ ان میں یہ چار ڈاکٹر بھی شامل ہیں؟"

" ہاں! شامل ہیں۔" اس نے بتایا۔

" شکریہ!" انھوں نے کہا اور وزیرِ خارجہ کے نمبر ملائے ۔ انھوں نے بھی سیکرٹری سے بات کرنے کے لیے کہا ۔ انھوں نے ان کے سیکرٹری کے نمبر ملائے ۔ سیکرٹری نے تین ڈاکٹروں کے نام بتائے ۔ وہ اور ہی نام تھے ۔ اسی طرح کمانڈر انچیف کے ڈاکٹرز اور تھے ۔ وزیرِ داخلہ کے ڈاکٹرز اور تھے ۔ کوئی ڈاکٹر بھی تو مشترک نہیں تھا۔

" یہ مسئلہ تو اس طرح بھی حل ہوتا نظر نہیں آتا۔"

" تب پھر ۔ آخر مجرموں نے ہمارے ان اہم ترین آدمیوں کے دماغ کس طرح خراب کیے ہیں؟" فاروق بولا۔

" اگر یہ معلوم ہو جائے تو کیس نہ حل ہو جائے۔"

"اس کا صرف ایک ہی حل ہے — اور وہ یہ کہ ہم عقلوں پر زور دیں۔"

"عقلوں پر زور دے دے کر تو ہم تھک چکے ہیں۔"

فاروق نے منہ بنایا۔

"تو اب تھک تھک کر زور دو۔" فرزانہ بولی۔

"آج تو تمھاری عقل بھی پانی بھرتی نظر آ رہی ہے۔"

"لیجیے — اب عقلیں بھی پانی بھرنے لگیں۔"

"یہ کیس شاید ہمیں ناکوں چنے چبوائے گا۔" محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں — چبا لیں گے — ہمارا کیا جاتا ہے، کون سا ہمیں لوہے کے چنے چبانے ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا...

"اور اگر لوہے کے چنے چبانے پڑ جائیں تو بھی کیا ہے، کیا اس سے پہلے ہم نے کبھی نہیں چبائے۔" محمود مسکرایا۔

"اب چنوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے — ہے کوئی تُک۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"سب لوگ خاموش ہو کر اس پر غور کریں کہ آخر مجرم نے جرم کے لیے کون سا راستا اختیار کیا ہے۔"

"راستا۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! راستا۔" وہ بولے۔

وہ سب سوچ کے سمندر میں اُتر گئے — کمرے میں موت کا سناٹا چھا گیا — پھر اچانک فرزانہ بہت زور سے اُچھلی:

"وہ مارا۔" ساتھ میں وہ چلّائی بھی —

شوکلی

"شکریہ۔ ان محترمہ نے کچھ مارا تو۔ ورنہ ہم تو ترس ہی گئے تھے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کک۔ کس بات سے۔" پروفیسر داؤد حیران ہو کر بولے۔

"جی۔ وہ مارا سننے سے۔"

"اچھا بھائی۔ اب ذرا تم اپنی زبان پر قابو پاؤ۔ تاکہ ہم سن سکیں، فرزانہ نے کیا مارا ہے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! بالکل۔ چلو فرزانہ۔" خان رحمان بے چینی کے عالم میں بولے۔

"جی۔ کہاں چلوں۔" فرزانہ گھبرا گئی۔

"اوہو بھئی۔ مطلب یہ کہ بتاؤ۔"

"جی ہاں ضرور کیوں نہیں۔ اور میرا کام ہی کیا ہے۔ لیجیے سنیے۔ ملاوٹ اس گندم میں ہی ہے۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"یہ تم نے کیا خاص بات بتائی۔ اور اگر گڑبڑ گندم میں ہی ہے تو ان حضرات کے گھر کے افراد دماغی طور پر بے کار کیوں نہیں ہوئے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"بھئی پوری بات تو سن لو اس کی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو کیا۔ ابھی فرزانہ نے اپنی بات مکمل نہیں کی۔" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بالکل۔ اس کے چہرے کی طرف دیکھو۔"

انھوں نے فرزانہ کے چہرے کی طرف دیکھا، وہ بُرے بُرے منہ بنا رہی تھی۔

"یہی تو مشکل ہے۔ یہ حضرت درمیان میں ضرور بول اُٹھتے ہیں۔"

"اچھا بابا۔ اب پہلے تم اپنی بات پوری کرو۔"

"گڑبڑ گندم میں ہی ہے۔ لیکن وہ گڑبڑ اس وقت تک اثر نہیں کرتی۔ جب تک کہ کوئی دوسری چیز شامل نہ جائے۔ صدر صاحب ضرور ایسی کسی چیز کے شوقین ہیں، جو گھر کے باقی افراد نہیں کھاتے۔ اس چیز کی موجودگی میں گندم کی ملاوٹ کام کرتی ہے۔"

"تم بہت دور کی بات لائیں فرزانہ۔ یہ بات بہت عجیب لگتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"کیوں ابا جان؟"

"ایک شخص کی بات ہوتی تو ہم فوراً کہتے کہ یہ بالکل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ معاملہ ہے بہت سے لوگوں کا۔ کیا یہ سب کے سب ایسے لوگ ہیں جو کسی ایک ایسی چیز کو پسند کرتے ہیں۔ جو گھر کا کوئی اور فرد بالکل استعمال نہیں کرتا۔"

"میرے خیال میں تو یہ ممکن ہے۔ آپ بے شک معلوم کر لیں۔"

"وہ تو خیر ہم کریں گے۔ لیکن ایک اور بات حلق سے نہیں اُترتی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ان باتوں میں بس یہ بات بہت بُری ہے۔ حلق سے اُترنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔"

"اُف مالک۔ کام کی بات میں بھی بولے چلے جاتے ہیں یہ حضرت۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"چلو اس بہانے تم نے مالک کو یاد تو کیا۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن اُف کے ساتھ۔ یہ یاد کرنے کا کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ایک منٹ بھئی۔ میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ اگر واقعی یہ ایک عدد سازش ہے۔ گندم میں کوئی چیز ملائی جاتی ہے

تو پھر۔ سازش کرنے والوں کو آخر اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ وہ جس شخص کے دماغ کو خالی کرنا چاہتے ہیں، صرف اس کا دماغ خالی ہو۔ آخر اسے ان لوگوں کے گھر والوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔"

"بات ہمدردی کی نہیں ہے جمشید۔ کیس کو پیچیدہ بنانے کی ہے۔ دیکھو نا۔ اگر تمام کا تمام گھرانہ دماغی طور پر بے کار ہوتا تو اب تک ہم میاں مجاہد یا ٹونی ہاور کو گرفتار کر چکے ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں کیا جا سکا۔" پروفیسر داؤد نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"بہت خوب پروفیسر صاحب۔ آج تو آپ میرے بھی کان کاٹ گئے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"نن۔ نہیں۔ تو۔" وہ گھبرا کر بولے۔

"ہم اس بات پر بعد میں غور کر لیں گے۔ پہلے تو فرزانہ کی بات کا تجربہ کر لیا جائے۔"

"بب۔ بات کا تجربہ۔" فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اب ناول کا نام رکھا جائے گا۔ حد ہو گئی یعنی کہ۔" فرزانہ نے جھلّا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے جلدی سے رسیور اٹھایا اور صدر صاحب

کے نمبر ملائے۔ فوراً ہی جواب ملا :

"ہاں جمشید۔ کیا بات ہے۔ کوئی خاص بات معلوم ہوئی۔"

"بہت جلد ہم اس کیس کو ختم کر رہے ہیں سر۔ اور ان شاء اللہ آپ کی دماغی حالت پہلے جیسی ہو جائے گی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیا واقعی۔ میں تو یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اب اس مُلک کے لیے کبھی کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ بس اللہ پر بھروسا رکھیے۔"

"وُہ تو خیر ہے۔"

"اچھا یہ بتائیے۔ آپ کوئی ایسی چیز تو نہیں کھاتے، جس کو آپ کے گھر والے ہرگز نہ کھاتے ہوں۔"

"ہاں! ایک ایسی چیز ہے تو سہی۔"

"اور وُہ کیا؟"

"وُہ سکون پہنچانے والی ایک دوا ہے۔ ہم جیسے لوگوں کو دن رات کام کرنا پڑتا ہے اور مُلکی اور غیر ملکی پریشانیاں جنھیں ہر وقت گھیرے رہتی ہیں۔ تو سکون کے لیے کسی دوا کی ضرورت محسوس کیے بغیر نہیں رہتے۔ اس غرض کے لیے میرے ڈاکٹر نے 'شوکلی' ایک دوا تجویز کر رکھی ہے، ہر روز رات کو سوتے وقت مَیں وُہ دوا ضرور لیتا ہوں،

تب کہیں چند گھنٹے سو سکتا ہوں۔"

"بہت خوب! شکریہ۔" انھوں نے یہ کہہ کر سلسلہ کاٹ دیا اور کمانڈر انچیف کو فون کیا :

"سر۔ آپ کوئی ایسی چیز تو نہیں کھاتے۔ جو آپ کے گھر والے بالکل نہ کھاتے ہوں۔"

"ہاں بھئی۔ سکون دینے والی ایک دوا۔ میرے ڈاکٹر نے تجویز کی تھی۔ اس کا نام ہے شوکلی۔"

"اوہ! آپ کے اس ڈاکٹر کا نام؟"

"ڈاکٹر ریاض شاہ۔"

"شکریہ۔" اب انھوں نے پھر صدر صاحب کو فون کیا اور اس ڈاکٹر کا نام پوچھا۔ انھوں نے اپنے ڈاکٹر کا نام امتیاز گوگر بتایا۔ اس کے بعد انھوں نے وزیرِ خارجہ کو فون کیا۔ انھوں نے بھی شوکلی دوا کا نام بتایا۔ اور ڈاکٹر کا نام شاہد سلیم بیگ بتایا۔ وزیرِ داخلہ نے بھی شوکلی دوا بتائی اور ڈاکٹر کا نام سرور خان بتایا۔ انسپکٹر جمشید ریسیور رکھ کر ان کی طرف مُڑے :

"ان سب کے ڈاکٹروں نے انھیں سکون کی دوا شوکلی تجویز کر رکھی ہے، لیکن ڈاکٹر الگ الگ ہیں۔ تو کیا یہ سب ڈاکٹر اس سازش میں شریک ہیں۔"

"یہ ضروری نہیں— ویسے ان سے بات تو کرنا پڑے گی۔" خان رحمان نے کہا۔

"بات کرنے سے پہلے ہم اپنا شک کیوں نہ یقین میں بدل لیں۔"

"وہ کیسے؟"

"پہلے شوکلی منگوا کر پروفیسر صاحب سے اس کا تجربہ کراتے ہیں۔"

"کیسا تجربہ؟"

"ارے!" فاروق زور سے چلایا۔

"دیکھو فاروق! اس مرحلے پر اونگی بونگی نہ چھوڑنا۔" محمود نے گویا اسے خبردار کیا۔

"بہت کام کی بات ذہن میں آئی ہے۔"

"چلو خیر بتاؤ— اگر کام کی نہ ہوئی تو ہم تم سے نبٹ لیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ضرور— پروفیسر انکل نے جن جانوروں پر تجربات کیے، انھوں نے کیا شوکلی استعمال کی ہے؟"

"اوہ— دھت تیرے کی۔"

"کمال ہے— فاروق— اس قدر کام کی بات۔" انسپکٹر جمشید نے بھی اس کی تعریف کی۔

"لیکن— اس بات نے ہمارا سارا کام چوپٹ کر دیا ہے— بڑی مشکل سے تو وہ چیز ملی تھی جس کے استعمال سے گندم کی ملاوٹ کارگر ثابت ہو سکتی تھی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اب اس میں میرا کیا قصور۔"

"واقعی— یہ سوال اپنی جگہ بہت اہم ہے— اگر گندم کی ملاوٹ کسی دوا کی موجودگی کے بغیر اثر انداز نہیں ہوتی تو پھر آخر ان جانوروں پر کیوں اثر ہوا؟"

"اس کا جواب میں دے سکتا ہوں۔" ایسے میں پروفیسر داؤد نے کہا۔

"شکر ہے کہ آپ جواب دے سکتے ہیں، اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو گی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"جواب یہ ہے کہ جانوروں کے دماغ اور انسانی دماغ مختلف ہوتے ہیں— لہٰذا اس بات کا بہت امکان ہے کہ گندم میں جو ملاوٹ کی گئی ہے— وہ جانوروں پر اس دوا کے بغیر بھی اثر انداز ہو جاتے، لیکن انسانوں پر ایسا نہ ہو سکے— یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے— پہلے آپ شوکلی پر تجربہ کر لیں، پھر ہم اپنا کام شروع کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور پھر شوکلی منگوائی گئی ـ پروفیسر داؤد نے اس کا تجزیہ شروع کیا ـ چند جانوروں کو وہ گندم اور شوکلی کھلائی ـ ان تمام تجربات میں ایک دن لگ گیا ـ نتیجہ پھر بھی دوسرے دن نکلا ـ اور پھر انھوں نے نتیجہ ان کے سامنے رکھ دیا:

"سنو بھئی ! پہلے جو جانور بہت تھوڑا سا بگڑے تھے ـ اب اس شوکلی کے ساتھ گندم کھلانے سے وہ بہت زیادہ بگڑے ہیں ـ اور اب میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس گندم کے کھانے والے گھرانے کے باقی لوگ بھی ـ جنھوں نے شوکلی استعمال نہیں کی ـ کچھ عرصہ بعد دماغی طور پر خالی ضرور ہو جائیں گے ـ شوکلی کا فائدہ صرف یہ ہے کہ وہ ملاوٹ والی دوا کو فوری اثر کرنے والی بنا دیتی ہے۔"

"اوہ ـ" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ـ

"اب ٹیڑھا مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو مشورہ دینے والے الگ الگ ڈاکٹر ہیں ، اتنے بہت سے ڈاکٹر تو اس سازش میں شریک نہیں ہو سکتے۔"

"ہاں ! لیکن ان میں سے ایک دو تو ہو ہی سکتے ہیں ـ ان ڈاکٹر لوگوں کی ملاقات ہوتی ہی رہتی ہے ـ سازشی ذہن نے ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی ہو گی کہ آج کل سکون دینے والی سب سے زیادہ کامیاب دوا شوکلی جا رہی ہے۔"

"ہوں ـ خیر ہم ان سے بات کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ـ

اور پھر وہ صدر صاحب کے ڈاکٹر امتیاز گوگر کے پاس پہنچ گئے ـ اس نے حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھا:

"خیر تو ہے جناب۔"

"شوکلی۔" انسپکٹر جمشید فوراً بولے ـ

"کیا مطلب ـ شوکلی۔" وہ حیران رہ گیا ـ

"آپ شوکلی کو نہیں جانتے۔"

"نہیں تو۔" اس نے فوراً کہا ـ

"تب پھر آپ نے یہ صدر صاحب کو کس طرح تجویز کر دی۔"

"اوہ ! آپ سکون دینے والی دوا شوکلی کی بات کر رہے ہیں۔" اس نے حیران ہو کر کہا ـ

"ہاں ! بالکل۔" وہ مسکرائے ـ

"اوہ! میں سمجھا۔ آپ کسی شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، جس کا نام شوکلی ہے۔"

"جی نہیں۔ آپ نے صدر صاحب کے لیے یہ دوا تجویز کی تھی نا؟"

"جی ہاں! بالکل۔"

"لیکن کیوں؟"

"کیوں والی بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی، میں ایک ڈاکٹر ہوں اور میں اپنے مریض کے لیے جو دوا مناسب خیال کروں گا۔ وہ تجویز کروں گا۔ اس میں کیوں کہاں سے نکل آیا۔" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"نکل آیا ہے جناب۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کہاں سے نکل آیا ہے؟"

"پہلے یہ بتائیں۔ آپ نے صدر صاحب کے لیے شوکلی کب تجویز کی تھی؟"

"یہ تو میں ڈائری دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔

"تو ہم نے کب کہا ہے کہ ڈائری دیکھ کر نہ بتائیں۔" انسپکٹر جمشید نے اس سے بھی زیادہ برا منہ بنایا۔ یہ شخص انھیں پسند نہیں آیا تھا۔

وہ اُٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ جلد ہی ڈائری سمیت

واپس آیا۔ وہ جلدی جلدی اس کے ورق الٹنے لگا، پھر بولا:

"آج سے ایک ماہ پہلے تجویز کی تھی جناب۔"

"یہ دوا کب ہی۔ کب فروخت ہونا شروع ہوئی؟"

"کیوں۔ آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ان کی بیماری کی وجہ یہ دوا بھی ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"ن۔ نہیں۔" وہ چلّا اُٹھا۔

"اس میں ن نہیں سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"البتہ ہاں سے فائدہ ہو سکتا ہے۔" فاروق بول اُٹھا۔

"فاروق تم ذرا چپ رہو۔ ہاں ڈاکٹر صاحب۔ یہ دوا کب بازار میں آئی؟"

"تقریباً ایک ماہ پہلے ہی۔ اس کو بنانے والی کمپنی نے یہ بطور نمونہ جب مجھے بھیجی اور میں نے اس کا استعمال اپنے مریضوں پر کرایا۔ تو یہ بہت مفید ثابت ہوئی۔ اس کو استعمال کرنے والا تمام رات پُرسکون نیند سونے لگ جاتا ہے۔ چاہے وہ جاگتے رہنے کا کتنا پرانا مریض کیوں نہ ہو۔"

"ہوں! شکریہ۔ یہ دوا کس کمپنی کی ہے۔ اس کا دفتر

کہاں ہے؟

"شگن روڈ پر — یہ سڑک آبادی سے ہٹ کر ہے — ایک چھوٹے سے شہر کو جاتی ہے، اس لیے اس پر آبادی زیادہ نہیں ہے۔"

"فاروق — پتا نوٹ کر لو — اور ہاں، کیا دفتر بھی اسی عمارت میں ہے؟"

"ہاں بالکل — فرم کا مالک وہیں مل جائے گا۔"

"شکریہ جناب — آئیے بھئی چلیں۔"

اب انھوں نے ریاض شاہ کا رخ کیا — اس نے بھی اسی قسم کی خبریں سنائیں — اور تمام ڈاکٹروں نے شوکلی کے بارے میں بالکل ایک جیسے بیانات دیے — آخر انسپکٹر جمشید نے کہا :

"اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں — کہ ہم ان تمام ڈاکٹروں کو اپنے کمرۂ امتحان میں بلا کر سوالات کریں — وہاں کے آلات دیکھ کر شاید ان میں خوف پیدا ہو جائے اور وہ گھبراہٹ میں کوئی ایسی بات اگل دیں جو ہمارے کام آ جائے۔"

"ایک اور بات ابا جان۔" ایسے میں فاروق بول اٹھا۔

"تم بھی کہو۔" وہ بولے۔

"ہمیں صرف اور صرف یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ٹونی ہادر یا میاں مجاہد کے ان میں سے کس ڈاکٹر سے تعلقات ہیں — بس اسی ڈاکٹر نے باقی ڈاکٹروں کے پاس جا جا کر بار بار یہ کہا ہو گا کہ بھئی شوکلی بہت زبردست دوا ثابت ہو رہی ہے سکون کی — لہٰذا وہ ڈاکٹر بھی شوکلی استعمال کرانے لگ گئے ہوں گے۔"

"فاروق کی بات میں بھی وزن ہے — ہم ان میں کوئی تعلق معلوم کرنے کی بھی کوشش کریں گے۔"

اسی روز ان سب ڈاکٹروں کو کمرۂ امتحان میں بلا لیا گیا، جونہی وہ اندر داخل ہوئے — دھک سے رہ گئے :

"یہ کیا ! آپ نے ہمیں یہاں کیوں جمع کیا ہے ؟"

"اور ہمیں کیا کرنا چاہیے — یہ آپ بتا دیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ ہمیں کیا معلوم کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔"

"میں بتا دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ساری صورتِ حال بتائی — وہ سن کر اور بھی حیران ہوئے —

"لیکن اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں ؟"

"پہلی بات تو یہ کہ آپ میں سے ہر ایک کو شوکلی کے

بارے میں کس طرح معلوم ہوا؟"

"اوہ ہاں! یہ بات میں بتا سکتا ہوں۔ مجھے تو ڈاکٹر امتیاز گوگر نے اس کے بارے میں بتایا تھا۔" ریاض شاہ نے کہا۔

"بہت خوب۔ ڈاکٹر شاہد سلیم۔ آپ کو؟"

"مجھے بھی یہ بات ڈاکٹر امتیاز نے ہی بتائی تھی۔"

"اور آپ کو ڈاکٹر سرور؟"

"ڈاکٹر امتیاز نے۔"

"ڈاکٹر امتیاز گوگر صاحب۔ آپ کو ان کے بیان سے اختلاف تو نہیں؟"

"جی نہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ میں نے ہی ان کی توجہ اس دوا کی طرف دلائی تھی۔ لیکن میں حیران ہوں۔ کیا ایسا کرنا خلافِ قانون ہے۔ یہ تو ہمارا روز کا کام ہے۔ ایک دوسرے کو نئی آنے والی ادویات کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ تینوں حضرات جا سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔ کیا ڈاکٹر امتیاز صاحب ابھی یہیں ٹھہریں گے؟"

"ہاں! ہمیں ان سے دو دو باتیں کرنا ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ تینوں چلے گئے تو انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا:

"آپ ٹونی ہاور کو جانتے ہیں؟"

"ٹ ٹ۔ ٹونی ہاور۔ میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"اچھا۔ آپ میاں مجاہد کو جانتے ہیں؟"

"ہاں! لیکن صرف اس حد تک کہ اس کے ہاں سے صدر صاحب کے ہاں گندم آتی ہے۔ میں ان کا ڈاکٹر ہوں نا، مجھے خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ان کی خوراک کہاں سے اور کس قسم کی آرہی ہے۔"

"بہت خوب! تو آپ میاں مجاہد کو جانتے ہیں، لیکن ٹونی ہاور کو نہیں جانتے؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"شکریہ۔" انھوں نے کہا اور اکرام کو فون کیا۔ جونہی وہ آیا۔ انھوں نے کہا:

"یہ ڈاکٹر امتیاز گوگر ہیں۔ صدر صاحب کے ڈاکٹر۔ انھیں بہت عزت اور احترام دینا ہے۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" ڈاکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"اکرام سمجھا دے گا آپ کو۔"

اور وُہ باہر نکل آئے۔

"مجھے ایک بات یاد آ رہی ہے۔ اور وُہ یہ کہ اس دَوا کے اشتہارات آج کل اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں، بڑے بڑے اشتہارات۔" محمود نے کہا۔

"اخبارات کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں۔"

اخبارات میں واقعی اشتہارات موجود تھے۔ ایسے اشتہارات کہ ڈاکٹر لوگ فوری طور پر توجہ دینے پر مجبور ہو جائیں۔ گویا یہ ایک طریقہ بھی اختیار کیا گیا تھا۔

"ہم ذرا اس دَوا کے ڈیلر سے مُلاقات کر لیں۔ کیا خیال ہے؟"

"بہت ہی اچھا اور خوب صورت خیال ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

سب مُسکرا دیے۔ وُہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔ شوکلی کے ڈیلر نے انھیں حیران ہو کر دیکھا اور پریشان آواز میں بولا:

"فرمائیے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"شوکلی کے ڈیلر آپ ہیں؟"

"جی ہاں!"

"یہ کس کمپنی کی دوا ہے۔ اور وُہ کمپنی کس جگہ کی ہے؟"

"غیر مُلکی فرم نے تیار کی ہے۔ بیگال کی بنی ہوئی ہے۔"

"کیا کہا۔ بیگال کی۔" وُہ دھک سے رہ گئے۔ کان کھڑے ہو گئے۔

"ہاں جناب۔"

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے مُلک میں بیگال کی تمام چیزوں پر پابندی ہے۔"

"جی ہاں! معلوم ہے۔ لیکن یہ دوا براہِ راست بیگال سے نہیں۔ برٹائن سے آ رہی ہے۔ برٹائن کی کمپنی اپنی مصنوعات کے ساتھ یہ بھی ارسال کر رہی ہے۔ اب تو دراصل اسی کا نام دَوا کے اُوپر ہے۔ صرف اندر بیگال کا نام پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ یُوں کہ لیں کہ بیگال کی کمپنی نے اس کے تمام حقوق برٹائن کی کمپنی کو دے دیے ہیں اور اس طرح یہ دَوا اب بیگال کی نہیں رہ گئی۔"

"ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شاید اس طرح آپ مقدمے سے بچ جائیں، لیکن ہمارے نزدیک یہ دَوا بیگال کی ہے۔"

"اگر آپ حُکم کریں تو ہم اس کی فروخت بند کر دیتے ہیں، بقیہ مال واپس بھیج دیتے ہیں۔"

"ہاں! آپ فوری طور پر یہ کام کر ڈالیں، ورنہ تمام تر

ذمے داری آپ پر ہو گی۔"

"جی - کیا مطلب؟"

"مطلب میں پھر بتاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے - باہر آ کر اکرام کو فون کیا اس ڈیلر کے بارے میں ہدایات دیں - اور ٹونی ٹاور کے ہاں پہنچے:

"آپ پھر آ گئے۔" اس نے چلا کر کہا۔

"شاید یہ ہمارا آپ کی طرف آخری چکر ہے - اس کے بعد ہم نہیں آئیں گے - پریشان نہ ہوں۔"

"اچھی بات ہے - فرمائیے۔"

"ڈاکٹر امتیاز گوگر۔" انسپکٹر جمشید نے گول مول انداز میں کہا۔

"ڈاکٹر امتیاز گوگر — میں سمجھا نہیں۔"

"آپ نہیں جانتے اسے؟"

"میں نے تو یہ نام ہی پہلی بار سنا ہے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں جناب۔" فاروق نے کہا۔

"نہیں — میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔"

"تو آپ ڈاکٹر امتیاز گوگر کو نہیں جانتے؟"

"بالکل نہیں۔"

"اگر ہم نے یہاں آنا جانا اس کا ثابت کر دیا —"

"پتا نہیں - آپ کیا بات کر رہے ہیں - ہو سکتا ہے — اس نام کا کوئی ڈاکٹر یہاں کسی ضرورت سے آیا ہو اور میں اسے نہ جانتا ہوں۔"

"ہم آپ کی اس حویلی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"آپ کو کون روک سکتا ہے۔"

"اگر آپ کو اعتراض ہے تو روک لیں۔"

"نہیں - آپ تلاشی لے لیں۔" اس نے منہ بنایا۔

انھوں نے تلاشی شروع کی - بہت باریک بینی سے ایک ایک چیز کو دیکھتے جا رہے تھے کہ ایک کمرے میں ان کے قدم رک گئے -

دماغ کہاں ہے

حویلی کا یہ کمرہ بہت بڑا تھا۔ اس کمرے میں بوریاں
ہی بوریاں لگی تھیں۔ اُوپر سے نیچے تک:

"یہ کیا چیز ہے؟"

"کھاد" اس نے کہا۔

"اوہ اچھا۔ فصلوں کے لیے؟"

"جی ہاں!"

"اس قدر زیادہ کھاد؟"

"بار بار خریدنے کی بجائے ایک ہی بار خرید لیتا ہوں۔
دو تین سال آرام سے گزر جائیں گے۔"

"ہوں! آپ یہ کھاد کہاں سے خریدتے ہیں؟"

"یہ جدید ترین کھاد ہے۔ برٹائن نے بنائی ہے۔
اس کا لٹریچر مجھے ملا تھا۔ جب میں نے اس کھاد
کی خوبیاں پڑھیں تو آرڈر دے دیا۔ کیونکہ یہ سستی

بھی بہت ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس کھاد کی وجہ سے
اس بار گندم دوگنا ہوئی ہے۔"

"تو کیا یہ کھاد آپ نے اسی بار استعمال کی ہے؟"

"نہیں۔ پچھلے سال بھی استعمال کی تھی۔"

"تو کیا پچھلے سال فصل دوگن نہیں ہوئی تھی؟"

"دوگن ہوئی تھی، لیکن اس بار تو اس سے بھی زیادہ
ہوئی ہے۔ پچھلی مرتبہ یہ کھاد پہلی بار استعمال کی تھی۔"

"شکریہ۔ محمود! کھاد کا نمونہ لے لو۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"اس فرم کا نام۔ پتا اور بل وغیرہ ہمیں دے دیں۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"بات تو ابھی خود ہمیں بھی معلوم نہیں۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور تمام کاغذات ان کے حوالے
کر دیے۔

محمود نے کھاد کا نمونہ لے لیا۔

اب وہ واپس پلٹے:

"پروفیسر صاحب۔ اس کیس میں آپ کو کچھ زیادہ ہی
کام کرنا پڑ رہا ہے۔ اب اس کھاد کا بھی جائزہ لینا
پڑے گا۔"

تم فکر نہ کرو۔ جمشید۔ میں اپنے آلات کی مدد سے بہت جلد اس کے بارے میں بتا سکوں گا۔ ورنہ اس کام میں تو لگ سکتے ہیں چھ ماہ۔"

"جی چھ ماہ۔ وہ کیسے؟" وہ حیران رہ گئے۔

"وہ ایسے کہ۔ اس کھاد کے ذریعے گندم اگائی جائے۔ دوسری کھاد کے ذریعے بھی گندم اگائی جائے اور پھر دونوں کا فرق معلوم کیا جائے۔ اس کام میں کتنا وقت لگ جائے گا۔" وہ بولے۔

"اوہ ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ بہت کام کے پروفیسر ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بس بس رہنے دو، مکھن نہ لگاؤ۔" پروفیسر داؤد شرما گئے۔

انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اور صرف چند گھنٹوں میں نتیجہ ان کے سامنے تھا۔ پروفیسر صاحب نے انھیں بتایا:

"ٹونی ہاور والی کھاد کے ذریعے پیدا ہونے والی گندم شوکلی کی مدد سے دماغ خالی کرنے کا بہت بہترین نسخہ ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسری کھاد کے ذریعے یہ بات پیدا نہیں ہوئی۔ دوسری کھادوں والی گندم کے ساتھ جب شوکلی استعمال کی گئی تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

"اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ ٹونی ہاور والی کھاد میں کوئی گڑبڑ ہے۔"

"نظر یہی آتا ہے۔ اب میں اس کھاد پر مزید کام شروع کر رہا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ ویسے اس کیس کا سہرا آپ کے سر نظر آ رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مجھے سہروں کی ضرورت ہے نہ نام کی۔ میں تو اپنے دین، ملک اور قوم کے لیے جینا اور مرنا چاہتا ہوں اور بس۔" پروفیسر داؤد نے مسکرا کر کہا اور پھر وہ تجربہ گاہ میں چلے گئے۔

اس مرتبہ پھر ان کی واپسی کئی گھنٹے بعد ہوئی۔ ان کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار تھے:

"جمشید۔ یہ کھاد بہت خطرناک ہے۔ اگر اس کھاد کے ذریعے پیدا کردہ گندم پورا ملک کھانا شروع کر دے تو پورا کا پورا ملک خالی دماغوں والا ہو جائے۔ اور پوری قوم پھر کسی کام کی نہ رہے۔ صاف ظاہر ہے۔ ایسی قوم کو شکست دینا کیا مشکل ہو گا۔ مطلب یہ کہ پھر ہمیشہ کے لیے ہماری قوم غلام بن کر رہے گی۔ اور یہی سازش تھی بیگال کی۔ لیکن ابھی اس نے صرف اہم شخصیات

کو نشانہ بنایا ہے ۔ تجربے کے طور پر ۔ یا پھر اس نے
سوچا ہو گا کہ جب اعلیٰ ترین دماغ بے کار ہو جائیں
گے تو باقی قوم کو بے کار کرنا تو اور بھی آسان ہو جائے
گا ۔ اس صورت میں ہمارے مُلک میں کیا اودھم مچتا ۔
کیا مصیبت پڑتی ۔ یہ تم خود سوچ لو۔" یہاں تک کہہ کر وُہ
خاموش ہو گئے ۔

وُہ کانپ گئے ۔ انتہائی خوفناک منصوبہ تھا یہ ۔

"معلوم ہو گیا ۔ اس کیس کا مجرم مقامی سطح پر صرف
اور صرف ٹونی ہاورڈ ہے ۔ آؤ اب ہمیں اس کی گرفتاری
سے کوئی نہیں روک سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن جمشید ۔ عدالت سے وُہ باعزت بری ہو جائے
گا۔" خان رحمان بولے ۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اس کا وکیل کہے گا ۔ اس کے مؤکل کو اس کھاد کے
بارے میں صرف اتنا معلوم تھا کہ اس کے استعمال سے
گندم بہت بہترین اور دوگنا پیدا ہوتی ہے ۔ ہمارے پاس
آخر کیا ثبوت ہے کہ اسے کھاد کی دُوسری حقیقت کا
پتا تھا۔"

"ہوں واقعی خان رحمان ۔ آج تو تمھارا دماغ بھی

جاسوسی ہو چلا ہے ۔ ہمیں پہلے ثبوت حاصل کرنا ہو گا ،
آج رات سے ہم ثبوت کی تلاش شروع کریں گے۔"

"جُونہی ثبوت ملے ۔ مجھے بھی بتانا جمشید ۔ میں بہت
بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے ۔

"جی بہتر! ارے ہاں ۔ آپ اس پر اور بھی کام کر
سکتے ہیں۔"

"اور وُہ کیا؟"

"اس کھاد کا توڑ دریافت کر لیں۔"

"یہ کوئی مشکل نہیں ۔ ہومیوپیتھی طریقے سے میں اس
کھاد کی دوا تیار کرکے صدر صاحب اور دُوسرے لوگوں کو
استعمال کراؤں گا ۔ تم دیکھو گے کہ چند دن میں وُہ ٹھیک
ہو جائیں گے۔"

"بہت خوب! آپ اس پر بھی کام کریں ۔ مجرموں کو
ہم پکڑتے رہیں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

اسی رات انسپکٹر جمشید خان رحمان اور ان تینوں کے ساتھ ٹونی
ہاورڈ کی حویلی کے باہر موجود تھے ۔ رات تاریک تھی :

"فاروق، یہ پائپ تمھارا انتظار کر رہا ہے۔" محمود نے دبی
آواز میں کہا۔

"ایک تو میں ان پائپوں سے تنگ آ گیا ہوں۔" اس نے جھلّا کر کہا۔

"جب کہ میرا خیال ہے ۔ پائپ تم سے تنگ آ گئے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ اس پائپ پر۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

آخر فاروق اُوپر چڑھنے لگا۔ چھت پر پہنچ کر اس نے ہاتھ ہلایا اور زینے کی طرف بڑھا۔ زینے کا دروازہ کُھلا تھا۔ اسے خوشی کا احساس ہوا۔ دبے پاؤں وُہ نیچے اُترتا چلا گیا۔ اور پھر ایک کمرے کی کھڑکی کھول کر حویلی سے باہر نکل آیا۔ اب اپنے ساتھیوں کو لے کر اس کھڑکی تک آیا۔ اس طرح وُہ سب اندر داخل ہو گئے۔ ان کے پاس پنسل ٹارچیں تھیں۔ وُہ ان کی مدد سے حویلی کا جائزہ لینے لگے۔ ایک ایک چیز کو دیکھنے لگے۔ ایسے میں اچانک حویلی روشن ہو گئی۔ انھوں نے چونک کر اپنے سامنے دیکھا۔ ٹونی ہاور کھڑا انھیں گھور رہا تھا:

"آپ لوگ۔ اندر کس طرح داخل ہوئے؟" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"چھت کے راستے۔" فاروق نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"لیکن چھت پر کس طرح پہنچے؟"

"اس پائپ کے ذریعے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا یہ کسی کے مکان میں داخل ہونے کا قانونی طریقہ ہے؟"

"نہیں تو۔ غیر قانونی طریقہ ہے۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! تو غیر قانونی کام کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی۔"

"نہیں۔ جو لوگ مُلک کے دشمن ہوں۔ ان کے گھروں میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے میں ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے!" انھوں نے کہا۔

"لیکن میں اس مُلک کا دشمن نہیں ہوں۔"

"ہم یہی بات تو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"اچھا۔ کیا واقعی۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم اپنا کام جاری رکھو۔ باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ اس بار ہم اسے اس طرح گرفت میں لیں گے کہ کوئی عدالت اسے رہا نہیں کر سکے گی۔ اور صدر صاحب بھی اب اس پر رحم نہیں کھائیں گے۔"

اب انھوں نے اس کی موجودگی میں حویلی کی باریک بینی سے تلاشی لی۔ لیکن وُہ کھاد کے اس گودام کے علاوہ

اور کوئی چیز تلاش نہ کر سکے۔ کھاد پر پہلے ہی قبضہ کیا جا چکا تھا۔

"اب کیا خیال ہے انسپکٹر جمشید؟

"تم بچ تو سکو گے نہیں۔"

"میں نے کوئی جرم کیا ہی نہیں تو پھنسوں گا کیسے۔ کیا آپ ایک بے گناہ کو بھی پھانس لیں گے۔" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"نہیں تو۔ میں بے گناہ کو نہیں پھانستا۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"تب آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"کھاد کی موجودگی میں آپ یہ بات دعوے سے کر سکتے ہیں۔ حیرت ہے۔"

"میں نے کھاد برٹائن کی کمپنی سے خریدی تھی۔ اس سے میں نے کب انکار کیا ہے۔ اگر کھاد میں کوئی گڑبڑ ہے۔ تو آپ اس کمپنی پر مقدمہ کر لیں۔"

"مقدمہ کس پر کرنا ہے اور کس پر نہیں کرنا۔ یہ سوچنا ہمارا کام ہے۔ آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔"

"اچھی بات ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ وہاں کئی گھنٹے تک مصروف رہے، لیکن ٹونی ہاور

کے خلاف کوئی جرم ثابت نہ کر سکے۔ آخر مایوس ہو کر وہاں سے پلٹ آئے:

"اس بار کی سازش کسی بہت زبردست دماغ نے تیار کی ہے۔ ہم اس تک نہیں پہنچ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مجرم ہمارے سامنے ہیں اور ہم انھیں گرفتار نہیں کر سکتے۔ جب تک ہم اس دماغ تک نہیں پہنچ جاتے۔ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوں گے۔"

"گویا ہمیں اب دماغ کی تلاش کرنا ہے۔"

"ہاں! آؤ چلیں۔"

ٹونی ہاور کی حویلی سے نکلنے کے بعد وہ اسی وقت میاں مجاہد کی کوٹھی پہنچے۔

اس کوٹھی کے اندر داخل ہونے میں بھی انھیں کوئی دقت نہیں ہوئی، لیکن وہاں بھی کئی گھنٹے صرف کرنے کے باوجود وہ کوئی ثبوت حاصل نہ کر سکے۔

"پھر وہی بات۔ ہم ابھی تک اس سازش کے دماغ تک نہیں پہنچے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"دھت تیرے کی۔ آخر وہ دماغ کہاں ہے؟" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"شاید۔ برٹائن میں۔ یا شاید بیگال میں۔" انسپکٹر جمشید

نے کہا۔

"جی کیا مطلب — کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں۔ ہمیں برطانیہ یا بنگال جانا پڑے گا" فاروق نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اپنے ملک کے لیے — اپنی قوم کے لیے۔ اور خاص طور پر اسلام کے لیے — برطانیہ اور بنگال تو کیا۔ دنیا کے آخری کونے میں بھی جانا پڑے تو ہم جائیں گے" انسپکٹر جمشید نے جذباتی آواز میں کہا۔

"لیکن ابّا جان! ابھی ہم نے ایک اور پہلو کی طرف توجہ نہیں دی۔"

"اور وہ پہلو کون سا ہے؟"

فرزانہ نے انھیں بتا دیا — وہ سن کر سوچ میں گم ہو گئے، پھر بولے:

"ٹھیک ہے — ہم اس پہلو پر بھی کام کریں گے — آؤ چلیں۔"

وہ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ رات کے آخری حصّے میں جب فاروق کو تیسری بار پائپ پر چڑھنا پڑا تو اس نے کہا:

"آج کی رات پائپوں کے نام۔"

"بہت خوب فاروق — اسی کا نام زندگی ہے۔ مشکل ترین اوقات میں جو لوگ گنگنا سکتے ہیں، مسکرا سکتے ہیں اور دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں — کامیابی انھی کے حصّے میں آیا کرتی ہے۔"

"شکریہ — لیکن میں تو ان پائپوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں ابّا جان" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اچھا چلو — دیر نہ لگاؤ۔"

فاروق جونہی چھت کے نزدیک پہنچا — اسے ایک کتّے کی خوفناک غراہٹ سنائی — اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے — وہ فوراً چند قدم نیچے آگیا:

"ابّا جان! اوپر کتّا ہے۔"

"یہ بہت بری بات ہے — کیا تمھارے پاس پستول نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔"

"اچھی بات ہے — اب تم پائپ کو ایک ہاتھ سے سنبھالو — میں اپنا بے آواز پستول اچھال رہا ہوں — ہم نیچے سے کتّے کو نشانہ اس لیے نہیں بنا سکتے کہ تم درمیان میں ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں — نشانہ میں خود بنا لوں گا" فاروق

نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے اپنا پستول اُچھالا۔ فاروق نے فوراً اس کو کیچ کر لیا۔

اب وُہ پھر اُوپر کی طرف بڑھا۔ غرّاہٹ پھر سُنائی دی۔ لیکن ابھی تک فاروق کو کُتا نظر نہیں آیا تھا۔ اب یا تو وُہ اس کی تاک میں تھا۔ جونہی وُہ سر اُبھارتا، وُہ اس کے چہرے پر حملہ کر دیتا۔ یا پھر وُہ چھت پر کہیں بندھا ہوا تھا۔ پہلی صورت فاروق کے لیے بہت خوف ناک تھی۔ لیکن خوف ناک صورت حال کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وُہ رک جاتا۔ آگے نہ بڑھتا۔ لہٰذا وُہ اُوپر ہوا۔ یہاں تک کہ اس کا سر منڈیر تک پہنچ گیا۔ عین اس وقت ایک خوف ناک سیاہ کُتے نے اس پر چھلانگ لگائی۔ فاروق نے آن کی آن میں ٹریگر دبا دیا۔ کُتا بلا کی پھرتی سے اُچھلا اور نیچے کی طرف چلا۔ انسپکٹر جمشید اور دوسرے اس ہولناک منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کُتے کو نیچے گرتے دیکھ کر فوراً ایک طرف ہٹ گئے۔ محمود نے فوراً اپنا پستول نکال لیا۔ جونہی کُتا نیچے گرا۔ اس کے پستول کی گولی اس کے پیٹ میں اُتر گئی۔ وُہ خوف ناک آواز

میں چلّایا۔ اور پھر تڑپنے لگا۔

اُوپر فاروق دم بخود نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہاں سب خیریت ہے۔ تم اُوپر اپنا کام کرو۔"

فاروق نے منڈیر پر ہاتھ ڈال دیا۔ جونہی وُہ چھت پر آیا۔ کسی نے اسے دبوچ لیا اور ساتھ ہی منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ثبوت کی تلاش

چند منٹ تڑپنے کے بعد کتے نے جان دے دی۔

انھوں نے اوپر دیکھا۔ فاروق اب نظر نہیں آ رہا تھا:

"اس کا مطلب ہے۔ فاروق کے لیے اوپر اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"ایسا ہی نظر آتا ہے۔ لیکن اپنے اصول کے مطابق فاروق نے اشارہ نہیں دیا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اوہ ہاں واقعی۔ اب یا تو وہ بھول گیا یا۔ پھر..." محمود کہتے کہتے رک گیا۔

"یا پھر کیا؟"

"یا پھر وہ پھنس گیا۔ اس لیے اشارہ نہیں دے سکا۔ ہو سکتا ہے، چھت پر کتے کے ساتھ کوئی اور بھی ہو۔ اس نے کتے کو فاروق پر حملہ کرنے کا اشارہ دیا ہو۔ اس کا خیال یہ تھا کہ کتا فاروق کو ساتھ

لیتا ہوا نیچے جائے گا۔ لیکن فاروق اسے جھکائی دے گیا۔ اب فاروق نے یہ خیال کیا کہ اوپر اور کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا اوپر پہنچتے ہی وہ اس کے قابو میں آ گیا۔"

"اوہ!"

"اگر یہ بات ہے۔ تو پھر میں اوپر جاتا ہوں۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"تم نہیں۔ مجھے جانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں ابا جان۔ پہلے میرا جانا ہی ٹھیک ہو گا۔ چھت پر پہنچ کر اگر میں خیریت کے طور پر ہاتھ نہ ہلا سکا تو آپ خطرے سے باخبر تو ہو جائیں گے اور پھر معاملہ آپ کے ہاتھ سے باہر نہیں جا سکے گا۔" محمود نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ یونہی سہی۔" وہ مسکرائے۔

اب محمود نے اوپر جانا شروع کیا۔

"یار جمشید۔ میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے یہاں پہلے ہی ہمارے استقبال کی تیاریاں کر لی گئی ہیں۔" ایسے میں خان رحمان بولے۔

"ہاں! حالات یہی کہہ رہے ہیں۔ لیکن خان رحمان۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم پیچھے ہٹ جائیں اور
پھر اب تو فاروق اندر پھنس چکا ہے۔"

"ابھی ان لوگوں کو یہ اندازہ نہیں کہ ہم جانتے ہیں،
فاروق پھنس چکا ہے۔"

محمود منڈیر تک پہنچ گیا — اس نے ایک نظر نیچے
ڈالی اور پھر ذرا سا سر ابھار کر چھت کا جائزہ لیا —
چھت پر کوئی نہیں تھا — اسے بہت حیرت ہوئی، اس
کا خیال تھا کہ چھت پر ضرور دشمن موجود ہو گا — اس کا
یہ مطلب نکلتا تھا کہ فاروق کو نیچے جانے کے بعد
کوئی حادثہ پیش آیا ہے — اور ہاتھ کا اشارہ دینا وہ
بھول گیا — یہ سوچا اور ہاتھ ہلا کر محمود آگے بڑھا —
زینے کا دروازہ کھلا تھا — اور وہ ایک ایک کرکے سیڑھیاں
اترتا چلا گیا — جونہی اس نے آخری سیڑھی سے فرش
پر قدم رکھا — اس کے سر پر کوئی چیز زور سے ماری گئی،
وہ تڑ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا — بے ہوش ہونے سے
پہلے اس نے کسی کو کہتے سنا:

"ایک اور گیا — اب تیسرے کی باری ہے۔"

کوٹھی سے باہر جب انسپکٹر جمشید، فرزانہ اور خان رحمان
کو انتظار کرتے کافی دیر ہو گئی اور محمود اور فاروق میں

سے کسی نے کوئی دروازہ نہ کھولا تو فرزانہ نے بے تاب ہو
کر کہا:

"نہیں ابا جان — پہلے فاروق جا کر پھنس گیا تھا، اب
محمود پھنس چکا ہے — لہٰذا مجھے جانا ہو گا۔"

"تو میں کیوں نہ جاؤں۔" خان رحمان بولے۔

"تم خان رحمان اور اس پائپ پر — چڑھ سکو گے۔"

"مرتا نہ کیا کرتا کے تحت چڑھ جاؤں گا۔" انھوں نے
مسمسی صورت بنائی۔

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ ہنس پڑے — اگرچہ ان کی یہ ہنسی
کچھ دبی دبی سی تھی — اس لیے کہ ان کے ذہن محمود اور
فاروق میں الجھے ہوئے تھے —

"میرا خیال ہے — پہلے میں جاؤں۔"

"اچھی بات ہے فرزانہ — تم ہی جاؤ — لیکن ذرا ہوشیاری
سے، ہمارے خلاف اندر جال بہت چالاکی سے بچھایا
گیا ہے۔"

"جمشید — ہم پولیس کو کیوں نہیں بلا لیتے — کوٹھی کو گھیرے
میں لے لیا جائے گا اور پھر معاملہ ہمارے ہاتھ میں
ہو گا۔"

"لیکن ہمارا کام ادھورا رہ جائے گا خان رحمان — تم بھول

رہے ہو — ہم دراصل ثبوت کی تلاش میں ہیں۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے۔"

"میں چلی۔" فرزانہ نے کہا اور پائپ پر تیزی سے چڑھتی چلی گئی۔

"ہائیں — مجھے تو اس کی تیزی میں اور فاروق کی رفتار میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آ رہا۔"

"اس وقت یہ اپنے بھائیوں کی محبت میں بہت تیزی میں ہے — ورنہ یہ فاروق سے زیادہ تیز رفتاری ہرگز نہیں دکھا سکتی۔"

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہاں یہ حالات بھی ہو سکتے ہیں — ورنہ ٹونی ہاور کی حویلی میں کوئی خطرہ پیش نہیں آیا — میاں مجاہد نے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی — آخر یہاں کسی کو رکاوٹ ڈالنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"صاف ظاہر ہے — یہاں کوئی ایسا سامان موجود ہے، جو ان لوگوں کے جرم کا پردہ چاک کر سکتا ہے — ورنہ رکاوٹ کیوں ڈالی جاتی — رکاوٹ ڈال کر تو انھوں نے خود کو مجرم ثابت کر دیا ہے۔"

"ہاں! لیکن شاید یہ حضرت خود کو مُجرم ثابت کرنے

سے نہیں ڈرتے — ورنہ ہمارے خلاف اس قسم کا جال ہرگز نہ بچھاتے۔"

اسی وقت فرزانہ منڈیر تک پہنچ گئی — اس نے ہاتھ ہلایا اور زینے کی طرف بڑھی — پہلے اس نے پوری چھت کا جائزہ لیا — پھر صحن میں جھانکا، لیکن کچھ نظر نہ آیا — نیچے مکمل طور پر اندھیرا تھا — اب اس نے زینے کا رُخ کیا — پنسل ٹارچ کی روشنی زینے میں ڈالی — وہاں کوئی نہیں تھا — آخر وُہ ایک ایک قدم اُترنے لگی — فرش پر پہنچ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا — ٹارچ کی روشنی میں کوئی بھی نظر نہ آیا — آخر اس نے کمروں کا رُخ کیا — ایک ایک کمرے کے دروازے سے کان لگاتی وُہ آگے بڑھتی چلی گئی — پھر خیال آیا — مجھے تو کوئی بیرونی دروازہ کھول کر اپنے دونوں ساتھیوں کو اندر بلانا ہے — یہ مَیں کیا کرنے لگ گئی — اس خیال کے ساتھ ہی وُہ واپس پلٹی — کسی بیرونی طرف کھلنے والے دروازے کی تلاش شروع کر دی — لیکن اس وقت اس کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ جان لیا کہ ایسے تمام دروازوں میں سلاخیں موجود ہیں — یعنی کھڑکیوں میں، رہا صدر دروازہ تو اس پر بھی اندر کی طرف تالا لگا ہوا

تھا، ایک بڑا سا اور عجیب سی وضع کا تالا۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو بھی پائپ کے راستے اندر آنا پڑے گا۔ اور وُہ بھی جلد از جلد۔ کیونکہ محمود اور فاروق گھر چکے ہیں ۔ اس خیال کے ساتھ ہی وُہ تیزی سے زینے کی طرف بڑھی اور جونہی اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ۔ اس کے سر پر کوئی چیز ماری گئی ۔

دُوسرے ہی لمحے اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا ۔

" یار خان رحمان ۔ لگتا ہے ۔ آج کوئی ہمارے ساتھ بلّی چوہے کا کھیل کھیل رہا ہے ۔" انسپکٹر جمشید نے انتظار سے تنگ آ کر کہا ۔

" ہاں ! اور ہم اس کے ذہن کے مطابق کام کر رہے ہیں ۔ لہٰذا کامیاب کیوں ہونے لگے ۔" خان رحمان نے کہا ۔

" بالکل ٹھیک کہا خان رحمان ۔ لیکن اب ہم اس کی اُمیدوں پر ہرگز پورے نہیں اُتریں گے ۔ اب اس کا پروگرام یہ ہے کہ ہم بھی اندھا دھند پائپ کے ذریعے

اُوپر چڑھیں ، نیچے اُتریں اور اس کا شکار بن جائیں ، لیکن خان رحمان ۔ اب ایسا نہیں ہوگا ۔"

" تو پھر ۔ اب کیسا ہوگا ؟"

" اب ہم تیل دیکھیں گے اور تیل کی دھار دیکھیں گے ، اور تم ذرا اکرام کو فون کر دو کہ وُہ ساز و سامان کے ساتھ چلا آئے ۔"

" بہت خوب ! میں یہی چاہتا تھا ۔ آخر ہم نے شروع سے ایسا کیوں نہیں کیا ؟"

" ہمارے پاس کوئی ثبوت بھی تو ہونا چاہیے تھا نا بھئی ۔ اس میں مجرموں کے خلاف ثبوت کوئی ہے نہیں ۔"

" ہُوں ۔ ٹھیک ۔ میں فون کر کے آتا ہوں ، لیکن خدا کے لیے میرے آنے سے پہلے کہیں پائپ پر چڑھ کر دُوسری طرف نہ پہنچ جانا ۔"

" میں نے بتایا نا ۔ اب ہم ایسا نہیں کریں گے ۔ یہ عمارت ہمارے لیے چوہے دان بنا دی گئی ہے ۔"

خان رحمان سر ہلاتے ہوئے کار کی طرف چلے گئے ، وُہ فون کر کے آئے تو انسپکٹر جمشید کہیں نظر نہ آئے :

" ہائیں ۔ جمشید ۔ تت ۔ تم نے وعدہ کیا تھا ۔ اور اب ۔۔"

وُہ جملہ پُورا نہ کر سکے ۔

"آواز دو بھئی — کہاں ہو تم — کیا مجھے ستانے کے لیے کہیں چھپ گئے ہو؟"

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا — انسپکٹر جمشید کے جُوتے کہیں نظر نہ آئے۔

"یا اللہ رحم۔ جمشید — تم نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ پائپ کے ذریعے اندر نہیں جاؤ گے — لیکن اب تم یہاں نہیں ہو — اس سے میں کیا سمجھوں — کیا کروں؟"

وُہ بڑبڑا کر رہ گئے — اِدھر اُدھر انسپکٹر جمشید کو دیکھا، لیکن وُہ تو اس طرح غائب تھے جیسے انھیں زمین کھا گئی ہو یا آسمان نِگل گیا ہو۔

اب وُہ انتظار کرنے کے سوا کر ہی کیا سکتے تھے —

آخر خُدا خُدا کرکے اکرام وہاں پہنچ گیا، اس کے ساتھ اس کے ماتحتوں کی فوج بھی تھی —

"کیا چکر ہے جناب؟" سب انسپکٹر اکرام نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

انھوں نے جلدی جلدی ساری کہانی سُنا دی — اکرام سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا:

"محمود، فاروق اور فرزانہ کا غائب ہونا تو سمجھ میں آتا ہے،

لیکن انسپکٹر صاحب کا غائب ہونا حلق سے نہیں اُترتا۔"

"تو یار میں کب کہ رہا ہوں کہ تم حلق سے اُتارو۔" خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں — ذرا میں اپنے ماتحتوں کو پہلے ہدایات دے دوں۔"

یہ کہ کر وُہ ان کی طرف مُڑ گیا — جلد ہی عمارت پوری طرح اس کے ماتحتوں کے گھیرے میں تھی — اب وُہ صدر دروازے پر آئے اور گھنٹی کے بٹن پر اُنگلی رکھ دی — تیسری گھنٹی پر کہیں تین منٹ بعد جا کر دروازہ کھلا اور ایک مُلازم کی صُورت نظر آئی:

"کوٹھی کے مالک کہاں ہیں — انھیں بلا کر لاؤ — جلدی کرو۔" اکرام نے سرد آواز میں کہا۔

"وُہ تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں جناب۔"

"کب سے؟"

"ابھی رات ہی تو گئے ہیں۔"

"ان کے بعد کون یہاں ذمّے دار ہے؟"

"میرے علاوہ تو اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں ہے جناب۔" اس نے کہا۔

"ارے!" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

" ہاں جناب۔"

" اچھا خیر۔ سُنو۔ ہمیں اندر کی تلاشی لینا ہے۔"

" صاحب کے بغیر۔ آپ تلاشی لیں گے۔"

" ہاں! اس لیے کہ ہمارے پاس تلاشی کا وارنٹ ہے۔ اندر کچھ لوگوں کو حبسِ بے جا میں رکھا گیا ہے۔" اکرام بولا۔

" ارے باپ رے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں جناب۔" اس نے کہا۔

" پیچھے ہٹو۔ تم اس پر پستول تان لو۔ ہمارے ساتھ ساتھ اسے لاتے رہو۔" اکرام نے ایک ماتحت سے کہا۔

وُہ اندر داخل ہوئے۔ اکرام کے دس ماتحت بھی ساتھ تھے۔ خان رحمان کے چہرے پر اُلجھن ہی اُلجھن نظر آ رہی تھی۔ انھوں نے کوٹھی کے ایک ایک کمرے اور ایک ایک حصّے کو دیکھا۔ لیکن ان چاروں کا دُور دُور تک پتا نہ تھا۔

" حد ہو گئی۔ آخر وُہ لوگ کہاں چلے گئے؟"

" یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے جناب۔" ملازم نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

" خاموش!" خان رحمان چلّائے۔

" آپ خود کو پُرسکون رکھیں۔" اکرام نے جلدی سے کہا۔

وُہ اکرام کو گھور کر رہ گئے۔ ان لوگوں نے پوری کوٹھی کا ایک ایک چپّہ کئی بار دیکھ ڈالا۔ پورے ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش سے بھی کچھ نہ بنا۔ اچانک اکرام کو ایک خیال آیا۔ اس نے اپنے ماتحتوں سے کہا:

" ہر کمرے کے صُوفہ سیٹ یا میزیں اور کُرسیاں اپنی جگہ سے ہٹا دو۔"

" جی کیا مطلب؟" گھر کے مُلازم نے حیران ہو کر کہا۔

" تم خاموش رہو جی۔"

صوفہ سیٹ وغیرہ ہٹائے گئے۔ لیکن کہیں سے بھی ان تینوں کی کوئی چیز نہ مل سکی۔ اکرام نے سوچا تھا کہ شاید انھوں نے اپنی کوئی چیز گرائی ہو۔

" میرا مطلب ہے۔ ہمیں زینے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔" خان رحمان نے دبی آواز میں کہا۔

" اوہ ہاں!"

وُہ زینے کی طرف مُڑ گئے۔ ایک ایک سیڑھی کو غور سے دیکھا گیا اور پھر فرزانہ کی ہیربن ایک سیڑھی سے آخر مل گئی۔

" اب تم کیا کہتے ہو؟" اکرام نے اسے گھورا۔

"میں سمجھا نہیں جناب! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"اگر یہاں کوئی نہیں آیا تھا تو یہ پن یہاں کیوں ہے؟" اکرام نے سرد آواز میں کہا۔

"یہ ضرور مالک کی بیٹی کی ہے۔"

"اوہ! تو ان کی کوئی بیٹی بھی ہے؟"

"بالکل ہے جناب — کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟" ملازم نے کہا۔ انھیں یُوں لگا جیسے وُہ ان دونوں کا مذاق اڑا رہا ہے۔

"ہمیں کیوں اعتراض ہونے لگا — یہ تو سب اللہ کے کام ہیں — اب ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وُہ اندر ہی کہیں موجود ہیں۔"

"کوٹھی آپ کے سامنے ہے جناب۔" وُہ مسکرایا۔

"خان صاحب — اب مجھے یقین ہو چلا ہے — اس کوٹھی کے نیچے کوئی تہ خانہ ضرور ہے — بس ہم اس کا دروازہ تلاش کرلیں کسی طرح۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ۔"

انھوں نے تہ خانے کی تلاش شروع کر دی اور جب یہ کام کرکے بہت تھک گئے تو ملازم کے چہرے پر طنز اور گہرا ہو گیا۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں جناب؟" اس نے کہا۔

"وُہی — جو پہلے کہا تھا — تہ خانہ ضرور موجود ہے، لیکن ہم ابھی تک اس کا راستا تلاش نہیں کر سکے — جب کرلیں گے تو پھر تم سے پُوچھیں گے۔"

"شکریہ جناب — ضرور پوچھیے گا۔" اس نے کہا۔

"مجھے اب ماہرین کو بُلانا ہوگا۔" اکرام نے جھلّا کر کہا۔

"ماہرین۔" ملازم اور خان رحمان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں ماہرین — تم لوگ زبردست بھول میں ہو — آج کل ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں — جو کسی عمارت کے نیچے تہ خانے کا سُراغ لگا لیتے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔" ملازم نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

اکرام نے تلملائے ہوئے انداز میں متعلقہ دفتر فون کیا۔ جلد ہی ماہرین کی ایک فوج وہاں پہنچ گئی — اب انھوں نے تہ خانے کے دروازے کی تلاش شروع کر دی — آلات کی مدد سے یہ کام جلد جلد ہونے لگا — ہر کمرے پر وُہ صرف ایک یا دو منٹ لگ رہے تھے — آخر ایک کمرے میں پہنچتے ہی ایک نے پُرجوش انداز میں کہا:

"تہ خانہ اس کمرے کے نیچے ہے۔"

"بہت خوب! لیکن اس کا راستا؟"

"راستا ہم ابھی تک تلاش نہیں کر سکے۔" ایک نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"دروازہ کہیں اور ہے، لیکن تہ خانہ ہے اس کمرے کے نیچے۔"

"پھر۔ ہم اس میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں۔"

"اس کمرے کا فرش اکھاڑ کر۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اکھڑوا دو اکرام۔" خان رحمان بولے۔

"خبردار جناب! مالک نے اس کوٹھی پر لاکھوں روپے لگائے ہیں۔ نقصان کی ذمے داری آپ لوگوں پر ہو گی۔" ملازم نے فوراً کہا۔

"بالکل ہو گی۔ ہم فرش بنوا کر دیں گے۔"

اکرام کے ماتحتوں نے پھاوڑوں کے ذریعے فرش کو کھودنا شروع کر دیا۔ پھاوڑے بھی انھیں دفتر سے منگوانا پڑے تھے۔

فرش بہت مضبوط تھا۔ اور اسے توڑنے والوں کو دانتوں پسینہ آ گیا۔ آخر فرش میں اتنا خلا پیدا ہو گیا کہ ایک آدمی اس میں آسانی سے اتر سکے۔ انھوں نے نیچے جھانکا۔ نیچے واقعی تہ خانہ موجود تھا۔

اب بانس کی ایک سیڑھی لائی گئی۔ خان رحمان، اکرام اور اس کے چند ماتحت اس سیڑھی کے ذریعے نیچے اترے:

تہ خانہ چھوٹا سا تھا۔ بس ایک کمرے کے برابر۔ لہٰذا اس کی تلاش کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ تہ خانے کے فرش پر گرد ہی گرد جمی تھی۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا تھا کہ اس جگہ کسی کو نہیں رکھا گیا۔

"اوہو! ہم ایک بات بھول رہے ہیں خان صاحب۔" اکرام نے چونک کر کہا۔

"ارے تو بتاؤ نا بھئی۔ وہ ایک بات کیا ہے؟"

اکرام نے ان کے کان میں ایک بات مسکرا کر کہی اور خان رحمان اس کو سن کر زور سے اچھلے۔ اس طرح کہ ان کے سر آپس میں زور سے ٹکرائے۔

رنگین پروگرام

"ارے باپ رے — آپ کا سر تو بہت سخت ہے۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"فوجی سر ہے نا بھئی — اب جلدی کرو — ان لوگوں کو ہدایات دو۔" خان رحمان مسکرائے۔

"سنو بھئی — اس تہ خانے کے علاوہ کوئی اور تہ خانہ بھی تو عمارت کے نیچے ہو سکتا ہے — بلکہ عین ممکن ہے — کوٹھی سے ذرا ہٹ کر کوئی تہ خانہ ہو — اس کا راستا صرف کوٹھی سے جاتا ہو۔"

"اوہ! یس سر۔" ایک ماتحت نے کہا۔

"تو پھر جلدی کرو۔"

ان لوگوں نے ایک بار پھر اپنا کام شروع کر دیا — پہلے تو کوٹھی کے بقیہ حصے کو چیک کیا گیا، لیکن وہاں کسی اور تہ خانے کا نام و نشان نہ مل سکا — اب وہ کوٹھی

سے باہر دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگے — آلات کے ذریعے معائنہ بھی کر رہے تھے — آخر ایک جگہ سوئیاں حرکت کرتی نظر آئیں —

"میں یقین سے کہ سکتا ہوں سر — کہ اس جگہ نیچے کوئی تہ خانہ موجود ہے۔"

"تو کیا — اس جگہ بھی کھدائی کرنا پڑے گی؟"

"ہاں! مجبوری ہے۔"

"چلو بھئی — کھود دو۔"

ایک بار پھر کھدائی شروع ہوئی — آخر پندرہ منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد وہاں ایک خلا بن گیا — انھوں نے نیچے جھانکا تو واقعی وہاں ایک تہ خانہ موجود تھا:

"کیا یہاں بھی سیڑھی کے ذریعے نیچے اترنا پڑے گا؟"

"تو اور کیا کر سکتے ہیں۔"

"اور چاہے — نیچے ہمارے لیے خطرات ہی خطرات ہوں۔"

"اب یہ خطرات تو مول لینا ہی پڑیں گے۔"

"اچھی بات ہے — لے لیتے ہیں مول — ہمارا کیا جاتا ہے۔" خان رحمان نے فاروق کے انداز میں کہا اور اکرام مسکرا دیا۔

سیڑھی لگائی گئی — اکرام نے چند ماتحتوں کو پہلے

ہی ہدایات دے دی تھیں۔ لہٰذا وہ بلا کھٹکے نیچے اُترنے لگے ۔ جب ان کے پاؤں فرش پر لگے ۔ تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں انسپکٹر جمشید، محمود، فارُوق اور فرزانہ بندھے پڑے تھے ۔ اور ہوش میں تھے۔ انسپکٹر جمشید انھیں دیکھتے ہی بولے :

"بہت دیر کی مہرباں آتے آتے ۔ ہم تو مایوس ہو چلے تھے۔"

"لیکن سر۔ مایوسی تو گناہ ہے۔"

"بالکل ۔ اس کے باوجود انسان مایوس ہو ہی جاتا ہے ۔ مایوسی کے جراثیم اس پر حملہ کر ہی دیتے ہیں۔"

"آپ لوگوں کے ساتھ بیتی کیا؟"

محمود، فارُوق اور فرزانہ نے اپنی کہانی سُنا ڈالی، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا :

"خان رحمان تم جُونہی فون کرنے کے لیے ہٹے ۔ کوئی وزنی چیز میرے سر پر لگی ۔ اور میں چند لمحوں کے لیے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو یہاں تھا۔"

"لیکن ابّا جان ! آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ آپ صرف چند لمحوں کے لیے بے ہوش ہوئے تھے؟"

"اس طرح کہ جب خان رحمان گئے ۔ میں نے گھڑی پر

نظر ڈالی تھی ۔ اس کے بعد جُونہی میری آنکھ کھلی، میں نے پھر گھڑی دیکھی ۔ صرف چند منٹ گزرے تھے۔"

"ہوں ! ٹھیک ہے ۔ لیکن یہ چکر کیا ہے ۔ یہ تہ خانہ کہاں ہے؟"

"کوٹھی سے باہر ۔ پائیں باغ کے نیچے ۔ ہم پائیں باغ کی دیوار کے ساتھ ہی تو کھڑے تھے ۔ بس جُونہی میں گرا ۔ خُفیہ دروازہ کھول ڈالا گیا اور مجھے اندر لا کر دروازہ بند کر دیا گیا ۔ اس کام میں انھیں کتنی دیر لگی ہو گی۔"

"بالکل ٹھیک انسپکٹر جمشید۔" تہ خانے میں ایک آواز اُبھری، انھوں نے چونک کر سامنے دیکھا ، لیکن بولنے والا نظر نہ آیا ۔

"اتنا بھی کیا پردہ ۔ آپ سامنے آ کر بات کریں نا۔" فارُوق نے فوراً ہانک لگائی ۔

"نہ ! میں یہیں ٹھیک ہوں ۔ تم لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں ۔ واقف نہ ہوتا تو تم اس وقت یہاں نہ ہوتے، شاید تمھاری جگہ میں بندھا ہوتا۔"

"چلو تمھاری مرضی ، لیکن یہ سارا چکر کیا ہے؟"

"چکر تو اب تک تم لوگ سمجھ چکے ہو پروفیسر داؤد

نے میرے لیے مشکلات پیدا کر دیں ــ ورنہ شاید تم لوگ کبھی نہ جان سکتے کہ اہم لوگوں کے دماغ کس طرح خالی کیے گئے ہیں ــ خیر ــ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ــ یہاں بس پروفیسر داؤد نہیں ہیں ــ انھیں بھی میرے آدمی لاتے ہوں گے ــ باقی یہاں سے کوئی شخص کچھ بھی برآمد نہیں کر سکتا ــ اُوپر تمھارے جو آدمی موجود ہیں ــ وہ بھی یہاں سے زندہ واپس نہیں جائیں گے ــ میں نے یہ تمام انتظامات پہلے ہی کر لیے تھے ــ ابھی تم ان لوگوں کی چیخوں کی آوازیں سنو گے ــ اور پھر وہ ساتھ والے تہ خانے میں پہنچا دیے جائیں گے۔"

اس کے فوراً بعد انھوں نے اُوپر اکرام کے آدمیوں کی دل دوز چیخیں سُنیں:

"اُف مالک ــ یہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے؟" اکرام گھبرا گیا۔

"صبر کرو اکرام ــ صبر۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اس سیڑھی کی طرف لپکے ــ جس کے نیچے اکرام وغیرہ نیچے اُترے تھے ــ لیکن اسی وقت انھوں نے اس سیڑھی کو آگ لگتے دیکھی، آگ اُوپر سے شروع ہوئی تھی اور نیچے کی طرف آ رہی تھی ــ غالباً کوئی تیل اس پر ڈال کر آگ لگائی گئی تھی:

"چڑھ جائیے انسپکٹر جمشید ــ آپ تو بہت بہادر ہیں، کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے۔"

"میرے دین میں خودکشی حرام ہے ــ یُوں بھی میں اس وقت تک کس طرح مر جاؤں ــ جب تک کہ تمھیں جہنم رسید نہ کر دوں۔"

"ایسا تو اب تم خواب میں نہیں کر سکو گے، کیونکہ اب میں تم لوگوں کو خواب دیکھنے کی مہلت بھی نہیں دوں گا ــ یہ تہ خانہ ہی تمھاری قبر بن جائے گا اور جب ایک مدت گزر جائے گی اور کسی کو ہم پر شک تک نہیں رہے گا ــ تو یہاں سے تمھاری ہڈیاں نکال کر پھینک دی جائیں گی ــ اس وقت تک اس مُلک کا تقریباً نصف حصہ اپنے دماغوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

"تمھارا یہ خواب اللہ نے چاہا تو ہرگز پورا نہیں ہو گا۔"

"اچھا مسٹر جمشید ــ کیا آپ جانتے ہیں ــ میں کون ہوں؟" اس نے کہا۔

"میں بالکل جانتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے اس کا نام بتا دیا۔

"اوہ!" اس کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ تمھاری پشت پر برٹائن

اور بیگال موجود ہیں۔"

"ہوں ! اور تم نے انشارجہ کا نام نہیں لیا۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"بیگال اور انشارجہ ایک ہی چیز ہیں۔ اگر میں کسی معاملے میں بیگال کا نام لوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس میں انشارجہ پوری طرح شامل ہے۔ اگر میں کسی معاملے میں انشارجہ کا نام لوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بیگال پوری طرح شریک ہے۔"

"تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے تم انشارجہ، بیگال اور برطانیہ کی آنکھوں میں کھٹکتے ہو۔"

"ابھی میں تم لوگوں کی آنکھوں میں اور کھٹکوں گا۔"

"میں تم لوگوں کی ہڈی پسلی ایک کروں گا تو تم کس طرح کھٹک سکو گے۔"

"سامنے آنے کی تو ہمت نہیں۔ ہڈی پسلی کیا ایک کرو گے۔"

"اوپر کام مکمل ہو چکا۔ تمہارے ماتحت تہ خانے میں پہنچ چکے۔ اب اس تہ خانے کا اوپر والا حصہ برابر کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد ہڈی پسلی ایک کرنے کا رنگین پروگرام شروع ہو گا۔ اور میں اسی کے انتظار

میں ہوں۔"

انھوں نے اوپر دیکھا۔ خلا واقعی بند کر دیا گیا تھا۔ چھت بہت اونچی تھی۔ انسانی سیڑھی بھی انھیں اوپر نہیں پہنچا سکتی تھی۔ لہٰذا وہ انتظار کرنے لگے۔ آخر مرمت کرنے والوں کو بھی تو کسی سمت سے آنا تھا۔

اچانک تہ خانے میں ایک خلا نمودار ہوا۔ اس کے دوسری طرف مکمل اندھیرا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن پھر وہ الٹ کر ان کے پاس آگرے اور ساتھ ہی ان کے منہ سے چیخیں بھی نکل گئیں۔

"کک۔ کیا ہوا ابا جان؟" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"کرنٹ۔ مجھے کرنٹ لگا ہے۔ اس طرف بجلی کی ننگی تاریں بچھائی گئی ہیں۔" وہ بولے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اور پھر ایک ایک کرکے اس تاریک حصے میں سے سیاہ پوش ادھر آنے لگے۔ وہ سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں تھے۔ آنکھوں کی جگہ بھی جالی لگی تھی۔ تاکہ آنکھوں کو بھی نہ دیکھا جا سکے۔ ان کے ہاتھوں میں عجیب و غریب قسم کے ہتھیار تھے۔ ان کو نہ تو تلوار کہا جا سکتا تھا،

نہ خنجر۔ تلوار سے چھوٹے اور خنجر سے کافی بڑے، لیکن بہت چوڑے پھل کے ہتھیار تھے۔ وُہ کل تعداد میں دس تھے۔ ان دس کے دس نے ان کے گرد چکر کاٹنا شروع کیا:

"موقع اچھا ہے۔ ان کی ہڈی پسلی ایک کرنے کا کام شروع کر دیا جائے۔"

"او کے سر۔" ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

پھر انھوں نے زور زور سے اپنے خنجر گھمانے شروع کر دیے۔ ان کے درمیان میں وُہ تھے۔ ایسے میں اچانک انسپکٹر جمشید بجلی کی طرح تڑپے۔ ان میں سے ایک سے ٹکرائے۔ وہ اوندھے منہ گرا۔ ساتھ ہی اس کا خنجر ان کے ہاتھ میں تھا۔ اب ان کا خنجر کچھ ایسی تیزی سے چلا کہ وُہ نظر آنا بند ہو گیا۔ کمرے میں چیخیں بلند ہوئیں۔ اور چند سیکنڈ میں دس آدمی تڑپتے نظر آئے۔

"مسٹر باس۔ اب ہماری ہڈی پسلی ایک کرنے کے لیے تو آپ کو خود ہی آنا پڑے گا۔"

"اور میں آ رہا ہوں۔" دُوسری طرف سے پُر سکون آواز میں کہا گیا۔

ایک منٹ بعد انھوں نے باس کو اندر داخل ہوتے

دیکھا۔ اس کے جسم پر کوئی سیاہ لباس نہیں تھا۔ نہ ہاتھ میں کوئی ہتھیار تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ایک ایسی مُسکراہٹ جس میں شکست نام کی کوئی چیز شامل نہیں تھی۔

"تم لوگ شاید یہ سمجھ رہے ہو گے کہ میرے آدمی مارے گئے ہیں تو تم نے کوئی بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے۔"

"جی نہیں۔ ہم اس وقت تک ایسی کوئی رائے قائم نہیں کرتے جب تک کہ ایسا واقعی نہ ہو جائے۔ اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو بھی فخر نہیں کرتے۔ اللہ کا شکر کرتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی مہربانی سے ہوا ہے۔"

"چلو خیر یُونہی سہی۔ میں تم لوگوں کا یہ خیال بھی غلط ثابت کرنے کے لیے میدان میں آ گیا ہوں۔ دیکھ لو۔ خالی ہاتھ آیا ہوں۔ اُمید ہے۔ تم بھی خالی ہاتھ لڑو گے خالی ہاتھ لڑو گے نا۔"

"اگر تم خنجر..." انسپکٹر جمشید نے کہنا شروع کیا۔ لیکن اُسی وقت فرزانہ بول اُٹھی:

"نہیں ابا جان۔ آپ ایسی کوئی بات نہ کہیں۔ آپ یہ کہیں ضرورت پڑی تو ہتھیار بھی آپ استعمال کریں گے۔"

انسپکٹر جمشید نے چونک کر فرزانہ کی طرف دیکھا، پھر مسکرائے اور بولے:

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو — مسٹر باس — تم نے سُن لیا — میرا فیصلہ یہی ہے۔"

"تب پھر میں نے غلط سُنا ہو گا — کہ خالی ہاتھ مُجرم پر انسپکٹر جمشید ہتھیار نہیں اُٹھاتا۔"

"ہاں! بات یہی ہے — لیکن تم ضرورت سے زیادہ چالاک ہو — نہ جانے کیا چال سوچے بیٹھے ہو — اس وقت تک تم نے اپنے دماغ سے ہمارے مُلک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائے ہیں — ایسا نہ ہو کہ میں وعدہ کر لوں — اور یہ بات مُلک اور قوم کے خلاف جائے — بلکہ دینِ اسلام کے خلاف جائے۔"

"ہوں! ٹھیک ہے — میں جرائم کی دُنیا میں یہ بات بتا دوں گا کہ انسپکٹر جمشید اپنے اُصولوں سے ہٹ گیا ہے۔"

"جرائم کی دُنیا میں مجھے اپنا نام کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے — بلکہ جرائم کی دُنیا سے باہر بھی مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے — ضرورت پڑے تو تم ضرور ہتھیار استعمال کر لینا — لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔"

"تمھاری مرضی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی باس نے ان پر حملہ کر دیا — اس کا حملہ بالکل انوکھی طرز کا تھا — اپنی جگہ سے اچھل کر بالکل زمین کے متوازی ہوا میں تیرتا ہوا وہ سیدھا ان کی طرف آیا تھا — وہ بھی اس تیزی سے کہ جیسے واقعی ایک تیر جاتا ہے — اور پھر انسپکٹر جمشید ذرا سا ترچھا ہو گئے — باس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ انسپکٹر جمشید اس قدر تیزی بھی دکھا سکتے ہیں —

نتیجہ یہ کہ باس کا سر دیوار سے لگا —

کیس کا مُجرم

انسپکٹر جمشید اور دُوسروں کا خیال اگر یہ تھا کہ دیوار سے ٹکرانے کے بعد اس کا سر پھٹ گیا ہو گا اور اب وُہ کبھی اٹھ نہیں سکے گا تو یہ خیال ان کا بالکل غلط ثابت ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے ضرور وُہ ساکت ہوا، پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"اب کیا خیال ہے انسپکٹر؟" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں — تم بھی یہ مُقابلہ یاد رکھو گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میرے سر کی ٹکر — صرف ایک ٹکر کی مار ہو تم انسپکٹر پھر تم اُٹھ نہیں سکو گے — یہ میرا دعویٰ ہے۔"

"اب میں یہ دیکھنے کے لیے اُٹھ سکوں گا یا نہیں — ٹکر تو کھانے سے رہا۔"

"میں جو ہوں ٹکر مارنے کے لیے — تم کھاؤ نہ کھاؤ —

یہ لو میں پھر آ رہا ہوں۔"

وُہ بالکل اُسی انداز میں اُچھلا اور زمین کے متوازی ہوتے ہی تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ اس کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید اُچھلے اور اس کے جسم سے اُوپر اُٹھ گئے، ساتھ ہی وُہ اس کی کمر پر گرے۔ اس بار وُہ دیوار سے ٹکرانے کی بجائے وہیں دھب سے گر گیا۔ انھوں نے بھی اس کے اوپر سے اُٹھنے کی کوشش نہیں کی۔

"لو — میں ہلکا پُھلکا سا آدمی تمھاری کمر پر سوار ہو گیا ہوں — تم ذرا اُٹھ کر ہی دکھا دو۔" وُہ مسکرائے۔

اس نے انھیں اپنے اُوپر سے اُچھال پھینکنے کے لیے بہت زور لگایا — لیکن نہ تو وُہ انھیں گرا سکا اور نہ خود کو نیچے سے نکال سکا۔

"اب مجھے بھی ایک ہاتھ مارنے کی اجازت ہونی چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اجازت ہے ابا جان!" فارُوق فوراً بولا۔

"تم نہیں بھئی — یہ اجازت دے تو بات بھی ہے۔" وُہ بولے، لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میں اس انداز سے ہاتھ ماروں گا کہ تم بے ہوش نہیں ہو گے — لیکن لڑنے بھڑنے کے قابل بھی نہیں

رہ جاؤ گے ۔ اس صورت میں تم اطمینان سے بیٹھ کر
ہماری بات سن سکو گے۔" یہ کہہ کر انھوں نے اس کی
ریڑھ کی ہڈی پر گردن کے پاس دائیں ہاتھ کی ہڈی
کا وار کیا۔

اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔ ساتھ
ہی کڑاک کی آواز سنائی دی تھی ۔ شاید ریڑھ کی ہڈی
ٹوٹ گئی تھی ۔ اب وہ اس کے اوپر سے اٹھ آئے۔

اب وہ سب اوپر آئے ۔ اس تاریک کمرے میں
جہاں بجلی کے ننگے تار بچھائے گئے تھے، تہ خانے
کا دروازہ تھا ۔ انھوں نے پہلے تاروں میں سے کرنٹ
ختم کیا، پھر ان سب کو لے کر اوپر آئے ۔ فون کر کے
بڑی گاڑی منگوائی گئی ۔ ان سب کو لاد کر وہ سیدھے
ایوانِ صدر لائے۔

صدر صاحب کو اطلاع دی گئی ۔ وہ فوراً پہنچ گئے۔
اس دوران انسپکٹر جمشید دوسرے متعلقہ لوگوں کو فون کر چکے تھے۔
سب وہاں جمع ہو چکے تو انھوں نے کہنا شروع کیا:

" ہمارے ملک کے خلاف یہ منصوبہ بیگال، انشارجہ
اور برٹائن نے مل کر بنایا تھا ۔ پروگرام یہ تھا کہ
تمام بڑے لوگوں کے دماغ صاف کر دیے جائیں،

وہ کسی قابل نہ رہ جائیں ۔ اس طرح بعد میں
دوسرے لوگوں کی باری آتی اور پورا ملک چوپٹ
ہو جاتا ۔ دوسرے لفظوں میں ملک پھر ان کے
قبضے میں ہوتا اور ہم غلام بن کر زندگی گزارتے،
اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں غلام بننے سے بال
بال بچا لیا۔

قصہ دراصل یہ ہے کہ بیگال نے ایک کھاد
تیار کی ۔ اس کھاد کے ذریعے جب انھوں نے
گندم اگائی تو فصل بہت زبردست ہوئی ۔ اور کئی
گنا زیادہ گندم پیدا ہوئی ۔ جب انھوں نے اس
گندم پر تجربات کیے تو معلوم ہوا کہ اس میں
کوئی خطرناک اثر پیدا ہو گیا ہے ۔ یہ لوگ سازشی
ذہن کے ہیں اور اسلام دشمن ۔ لہٰذا گندم پر
تجربات شروع کر دیے گئے ۔ اور آخر اس نتیجے
پر پہنچے کہ ایک خاص دوا کے ساتھ اگر گندم استعمال
کی جائے تو دماغ بالکل خالی ہو جاتا ہے ۔
جانوروں اور چند غیر ملکیوں پر تجربات کرنے کے
بعد شوکلی دوا ایجاد کی گئی ۔ اس کو ملک میں
اور دوسرے ملکوں میں ۔ متعارف کرایا گیا ۔ سکون

دینے والی دوا کے طور پر۔ آج کل لوگ سکون
کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ لیکن
سکون نہیں ملتا۔ سکون ملے بھی کیسے۔ مشینوں کے
شور، فیکٹریوں کے دھوئیں۔ اور اسلام سے دور
معاشرے میں زندگی بسر کرنے کی بنیادوں پر سکون
غارت ہو چکا ہے۔ لہٰذا شوکلی بہت جلد مشہور
ہوگئی۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی پر اشتہارات
دے کر اس کو خوب اچھالا گیا۔ اس کے بعد
ہمارے ملک میں گندم پہنچائی گئی۔ یعنی اس کا بیج۔
ہمارے ملک میں تمام بڑے بڑے لوگ گندم
ٹونی ہاور سے خریدتے رہے ہیں۔ کیونکہ اس کی
گندم بہت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان
لوگوں نے وہ کھاد اور وہ بیج ٹونی ہاور کو فروخت
کیا۔ اس کے گھر میں کھاد کی بوریوں سے کمرے
بھر گئے۔ بیج کا ڈھیر لگ گیا۔ اور پھر اس نے
گذشتہ سال گندم لگائی تو وہ حیران رہ گیا۔ گندم کئی
گنا زیادہ پیدا ہوئی تھی۔ اس کے بعد گندم کا
استعمال شروع ہوا۔ ساتھ میں ان لوگوں کو شوکلی
استعمال کرنے کے مواقع بھی پیدا کیے گئے۔ یہ

تمام کام غیر محسوس طریقے پر کیا گیا۔ کسی کو کانوں
کان خبر تک نہ ہوئی۔ کہ کیا کیا جا رہا ہے۔
معلوم تو اس وقت ہوا۔ جب صدر صاحب اور
چند بڑے بڑے آفیسرز نے یہ کہنا شروع کیا کہ
وہ دماغی طور پر خود کو بالکل بے کار محسوس کر
رہے ہیں۔ یہاں سے ہمارا کام شروع ہوا ——
ہمارے لیے یہ ایک بہت مشکل کام ثابت ہوا۔
اس لیے کہ اس کیس سے ذرا دیر پہلے ہی ہماری
ملاقات ٹونی ہاور کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور اس
نے ہم پر مجرمانہ وار کیا تھا۔ ہم نے اسے
گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن عدالت اسے رہا کرنے
پر مجبور ہو گئی، کیونکہ صدر صاحب تک یہی
چاہتے تھے۔ اسے رہا کر دیا گیا۔ اور ادھر گندم
والا چکر زوروں پر آ گیا۔ ہماری پریشانیاں بڑھتی
چلی گئیں۔"

اس کے بعد جو جو کچھ انھیں اس سلسلے میں بھاگ
دوڑ کرنا پڑی۔ اس کی تمام تفصیل انھوں نے سنا دی۔ آخر
میں انھوں نے کہا:

"اب سوال یہ ہے کہ مجرم کون ہے اس کیس کا؟"

"آپ کا مطلب ہے۔ مقامی سطح پر بیگال نے یہ کیس کس کے سپرد کیا تھا۔ ظاہر ہے۔ کوئی تو انچارج ہو گا یہاں" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں محمود۔ یہی بات ہے۔ اس کیس میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا نام ہے ٹونی ہاور کا۔ مَیں آپ لوگوں کو اس کی ساری تفصیل سُنا چکا ہوں۔ ٹونی ہاور نے گندم کو فروخت کے ساتھ لوگوں کو لوٹنے اور انہیں ٹھکانے لگانے کا کام بھی شروع کر رکھا تھا۔ بعد میں وہ گندم بھی اسی کی ثابت ہوئی۔ جیل میں بھی ہم اسے نہیں رکھ سکے۔ صدر صاحب نے فوراً اس کی رہائی کا حکم جاری کر دیا۔

ہماری اصل بدقسمتی یہی ہے کہ ہم بیرونی یا اندرونی دباؤ میں آ کر بڑے بڑے مجرموں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی ٹونی ہاور کے ساتھ ہوا۔ ٹونی ہاور کو فوراً رہائی مل گئی۔ اسے مجرم چھوڑے نہیں ہوں گے تو اور کیا ہو گا، یہ تو اور بے فکری سے جُرم کریں گے۔ خیر۔ ہم نے ٹونی ہاور کے خلاف ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن

کامیاب نہ ہو سکے۔ دُوسرا نام ہمارے سامنے میاں مجاہد کا تھا۔ میاں مجاہد ٹونی ہاور کی گندم کا ڈیلر ہے۔ گندم میں گڑبڑ وہاں بھی ہو سکتی تھی۔ اس کے خلاف بھی ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور کامیابی نہ ہوئی۔ اب ہم نے کیس سے متعلق ہر آدمی کی چیکنگ کرانا شروع کی۔ ان کی زبردست نگرانی کی گئی۔ تعاقب کیے گئے۔ لیکن ہم ثبوت پھر بھی حاصل نہ کر سکے۔ آخر ہم نے رات کے وقت ہر متعلقہ آدمی کے گھر میں خفیہ طور پر داخل ہو کر ثبوت تلاش کرنے کی مہم شروع کی۔"

"اوہ!" صدر صاحب حیران رہ گئے۔

"ہاں سر! ہمیں ایسے کام بھی کرنا پڑتے ہیں۔ بلکہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ بعض اوقات ہمیں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ خیر۔ ہم ایک گھر میں داخل ہوئے۔ ثبوت تلاش کرنے کی کوشش میں لگے رہے، لیکن کچھ نہ مل سکا۔ دُوسری کوٹھی میں گئے۔ وہاں بھی کام نہ بنا۔ اب تیسری کوٹھی میں گئے۔ تیسری کوٹھی میں داخل ہونا ہی ایک مسئلہ بن گیا۔ وہاں

ہمارے استقبال کی تیاریاں پوری طرح کر لی گئی تھیں ۔ گویا وہ مجرم کا گھر ہی تھا ۔ ورنہ کیوں ہمارے راستے میں بے تحاشہ رکاوٹیں کھڑی کرتا ۔ ہوا یہ کہ ہم نے فاروق کو پائپ کے ذریعے اندر بھیجنا چاہا تو اس پر ایک خوفناک کتّے نے چھلانگ لگا دی ۔ خیر ۔ کتا ہمارے ہاتھ سے مارا گیا ۔ فاروق اوپر چڑھ گیا ۔ لیکن اس نے کوئی دروازہ نہ کھولا تو ہم سمجھ گئے کہ وہ پھنس گیا ۔ آخر محمود گیا ۔ اس نے بھی کوئی خبر نہ دی ۔ ہم سمجھ گئے کہ وہ بھی پھنس گیا ۔ اب فرزانہ گئی ۔ یہ بھی واپس نہ آئی ۔ اس کے بعد مجھے باہر ہی نشانہ بنایا گیا ۔ خان رحمان اور اکرام نے فورس منگا کر اس کوٹھی کو گھیرے میں لیا ۔ اس طرح یہ لوگ ہم تک پہنچے ۔ ہمیں مجرم سے لڑائی بھی لڑنا پڑی ۔ وہ تو خود کو ناقابل تسخیر سمجھ بیٹھا تھا ۔ خیر ۔ اللہ کی مہربانی سے میں نے اس کے کس بل نکال دیے ۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں ۔ وہ صاحب ہیں کون۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید سانس لینے کے لیے رکے ۔

" جلدی بتاؤ جمشید ۔ میرا مارے بے چینی کے برا حال

ہے۔" صدر صاحب بولے ۔

" ابھی لیجیے سر ۔ اکرام ۔ لے آؤ بھئی اسے۔"

اکرام کمرے سے نکل کر ساتھ والے کمرے میں چلا گیا ۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ سیاہ لبادے میں ملبوس ایک آدمی تھا ۔ اکرام نے اسے کمرے کے درمیان میں کھڑا کر دیا ۔

" یہ ۔ یہ کون ہے ؟"

" اس کیس کا مجرم ۔ بہت مشکل سے اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکے ۔ لیکن آپ اسے چھوڑیں گے نہیں ۔ چاہے کتنا ہی دباؤ کیوں نہ ڈالا جائے۔"

" ٹھیک ہے ۔ ابھی تو میں ذہنی طور پر درست نہیں ہوں ۔ لہٰذا کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔" صدر صاحب نے مسکرا کر کہا ۔

" ہاں ! یہ ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا ۔

" تو پھر اٹھاؤ اس کے سر پر سے کپڑا۔"

" اکرام ۔ اس کا چہرہ دکھا دو۔" انھوں نے کہا ۔

اکرام آگے بڑھا اور کپڑا ہٹا دیا ۔ ان سب کے سامنے ڈاکٹر امتیاز گوگر کھڑا تھا ۔ وہ اس طرح جلدی جلدی پلکیں جھپک رہا تھا جیسے کسی الّو کو روشنی میں لا کر کھڑا کر دیا ہو ۔

"اُف مالک ۔۔ یہ ۔۔ یہ تم ہو ۔ گو ۔ گر ۔" صدر صاحب چلّا کر بولے ۔

"باقی ڈاکٹروں کو اسی نے شوکلی استعمال کرنے کی بار بار ترغیب دی تھی اور وُہ اپنے مریضوں کو شوکلی استعمال کرانے لگ گئے تھے ۔ گندم وُہ پہلے ہی کھا رہے تھے، شوکلی کے بغیر بھی گندم اپنا کام کرتی ہے ۔ لیکن ۔ بہت مدّت بعد ۔ یہ شوکلی اس کے اثر کو بہت بڑھا دیتی ہے اور چند دن میں اثر شروع ہو جاتا ہے ۔"

"ہُوں ۔۔ اللہ انہیں غارت کرے ۔۔ کیسے کیسے خوفناک منصوبے بنا کر لے آتے ہیں ۔ آخر یہ لوگ ہمارے پیچھے ہی ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں ۔" فارُوق نے بُرے بُرے منہ بناتے ہوئے کہا ۔

"تمھارا مطلب ہے ۔۔ ہم لوگوں کے پیچھے ؟" فرزانہ نے اسے گھورا ۔

"نہیں بھئی ۔۔ ہمارے مُلک کے پیچھے ۔"

"یہ تو ہم محسوس کرتے ہیں ۔ ورنہ ان کی نظروں میں تو تمام اسلامی مُلک کھٹکتے ہیں ۔ اور یہ ان مُلکوں میں بھی اسی قِسم کی سازشیں کرتے رہتے ہیں ۔"

"میرا خیال ہے ۔ اب یہاں ہمارا کام ختم ہو گیا ہے ۔"

فارُوق نے چاروں طرف دیکھا ۔

"بالکل ٹھیک ہے ۔۔ اب ہم گھر جا کر کھانا کھائیں گے ۔ بے چارہ کھانا ۔" محمود بولا ۔

"کھانا اور بے چارہ ۔۔ یہ کیا بات ہوئی ؟"

"جی ہاں ! آپ کو شاید معلوم نہیں ۔ ہمارے ہاں کھانا بھی بے چارہ بن کر رہ جاتا ہے ۔ وُہ ایسے کہ کھانے کا وقت ہو جاتا ہے ۔۔ امّی جان کھانا لگا دیتی ہیں ۔ ہم کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھتے ہیں ۔۔ ابھی لقمہ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی ہے کہ گھنٹی بج اُٹھتی ہے ۔۔ اور کوئی کیس شروع ہو جاتا ہے ۔ فوراً ہمیں گھر سے نکلنا پڑتا ہے ۔ کھانا بے چارہ رکھا کا رکھا رہ جاتا ہے ۔ پھر امّی جان اسے اُٹھا کر باورچی خانے میں لے جاتی ہیں ۔۔ اور ہمارے انتظار میں اسے کئی بار گرم کرتی ہیں ۔۔ اب دیکھیے ذرا اس کی بے چارگی کہ بے چارہ بار بار گرم ہونے پر بھی مجبور ہے ۔ ہے کوئی حد بے چارگی کی ۔۔ خیر ۔ آگے سُنیے ۔۔ ہم آتے ہیں ۔۔ امّی جان پھر کھانا لگاتی ہیں کہ پھر گھنٹی بج اُٹھتی ہے ۔۔ بس یُوں سمجھ لیں کہ یہ چکر ختم ہونے کا نام نہیں لیتا ۔ چکر جو ہوا ۔ نام کیسے لے ۔۔ اگر نام لے لے تو اس بے چارے کو چکر کون کہے ۔"

"لیجیے اب چکر بھی بے چارہ ہو گیا ۔" فرزانہ نے جھلّا کر کہا ۔

"بھئی بے چارہ ہونے کو ہر چیز ہو سکتی ہے ۔ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے ۔"

"دھت تیرے کی ۔ شروع ہو گئے یہ حضرت ۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہم اُٹھ جائیں" محمود نے گھبرا کر کہا۔

اور سب مُسکراتے ہوئے اُٹھنے لگے ۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ نومبر کو پڑھیے | قیمت ۱۸ روپے

منی خاص نمبر

محمود • فاروق • فرزانہ

اور

انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۳۸۲

مقتول کون

مصنف : اشتیاق احمد

- فاروق کی نظر ایک بچے پر پڑی — وہ ایک کوٹھی کے دروازے پر گر گیا تھا۔
- گاڑی روک کر وہ نیچے اترا، بچے کو اٹھایا تو اس کی نظر اندر کھڑی ایک کار پر پڑی —
- کار کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا — اس نے اس کے نمبر نوٹ کر لیے —
- کار کے نمبر اس کے ذہن میں تھے — دوسرے دن اس نے وہی نمبر ایک اور کار پر دیکھے —
- وہ حیران رہ گیا —
- اور یہاں سے ایک پراسرار ترین کیس کی ابتدا ہوتی ہے —
- کار کون چلا رہا تھا —
- فاروق نے کار کس حالت میں دیکھی تھی —
- ایک دھوکے باز کہانی — جو آپ کو ہر قدم پر دھوکا دے گی اور آپ دھوکے کھاتے چلے جائیں گے —
- یہاں تک کہ کہانی ختم ہو جائے گی اور آپ حیرت میں ڈوب جائیں گے —
- مدّت بعد آپ ایک ایسا ناول پڑھیں گے جس کے بارے میں کہ سکیں گے کہ ...
- لیکن نہیں ! میں آپ کو کیوں بتاؤں کہ آپ کیا کہ

اُٹھیں گے۔

- مزا تو تب ہے۔ میرے بتائے بغیر آپ وہ بات کہ اٹھیں اور پھر میں آپ کو بتاؤں کہ آپ کا اندازہ کس حد تک درست تھا۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ شروع میں ہی کیس میں حد درجے اُلجھ جاتے ہیں۔
- انسپکٹر جمشید مجرم تک کس طرح پہنچے — انھوں نے کیا طریقہ اختیار کیا۔
- اور پھر — پورے ناول میں ایک سوال زور شور سے گونجتا سنائی دے گا — آخر مقتول کون ہے؟
- تو پھر — کیا آپ ناول ختم ہونے سے پہلے یہ بتا سکیں گے کہ مقتول کون تھا — آپ ہرگز نہیں بتا سکیں گے۔
- بلکہ جو لوگ یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم تو نصف ناول میں ہی مجرم کو پہچان لیتے ہیں — ان کے لیے بھی چیلنج — وہ اس بار مجرم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ پائیں گے۔ یہ کہانی ایسے قارئین کو بھی صاف دھوکا دے جائے گی۔ لیکن ایسے قارئین کو یہ دھوکا کھا کر بھی بہت خوشی ہو گی۔
- لیجیے! اب دھوکا کھا کر بھی خوشی ہونے لگی۔ ہے کوئی تک۔ بلکہ آپ شاید یہ خیال کرتے رہیں کہ اس ناول کی کوئی کل سیدھی بھی ہے یا نہیں — حیرتوں سے بھرپور ایک ناول۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ نومبر کو پڑھیے

قیمت ۱۸ روپے

منی خاص نمبر

محمود ٭ فاروق ٭ فرزانہ ٭ انسپکٹر جمشید

اور

آفتاب ٭ آصف ٭ فرحت ٭ انسپکٹر کامران مرزا

کی مشترکہ مہم

ناول نمبر ۳۸۳

مٹھی بھر ہیرے

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک شخص ان کے پاس ایک پُراسرار خط لے کر آیا۔
- خط نے انھیں اُلجھن میں مبتلا کر دیا۔
- شہر میں اسلام ٹاؤن نامی ایک بستی موجود تھی — لیکن پچاس سال پہلے —
- پچاس سال پہلے کی بستی اب کہاں تھی — آفتاب، آصف اور فرحت چکر میں —
- اس پچاس سال پہلی بستی کے ایک مکان کی انھیں تلاش تھی — لیکن آبادی بالکل نئی بن چکی تھی اور پُرانا مکان ایک بھی باقی نہیں تھا —
- پھر انھوں نے مکان کس طرح تلاش کیا —
- محمود، فاروق اور فرزانہ کی بوکھلاہٹیں قدم قدم پر — آپ کو بھی بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیں گی —
- اور ناول آپ کو بہائے لیے جائے گا —
- آپ ناول کی تیزی کا ساتھ نہیں دے سکیں گے اور نہ مجرم کے ذہن کی تیزی کا —
- مجرم آپ کو بہت پیچھے چھوڑ جائے گا، آپ اسے پہچان نہیں سکیں گے اور ہاتھ ملتے رہ جائیں گے —
- لیکن آپ جب چونکیں گے تو مجرم انسپکٹر کامران مرزا کی گرفت میں ہو گا —

- لیجیے — آپ کی خواہشات پوری کر رہا ہوں — اس بار آپ کامران مرزا کا ناول ساتھ پڑھ رہے ہیں اور آیندہ ماہ خاص نمبر میں شوکی برادرز بھی انسپکٹر جمشید کے ساتھ پڑھیں گے، اِن شاء اللہ!
- یہی نہیں — اب تو ہر ماہ آپ پُرانے چار ناول بھی پڑھ رہے ہیں — گویا خوب مزے لوٹ رہے ہیں —
- لیکن ان مزوں کا اس ناول کی جھلک سے کیا تعلق — سوری —
- ہاں تو میں جھلکیاں لکھ رہا تھا — لیکن نہیں — اس ناول کی جھلکیاں نہ ہی لکھی جائیں تو بہتر ہے —
- صرف اتنا لکھے دیتا ہوں کہ ناول میں آفتاب آپ کو قدم قدم پر ہنسائے گا — اس کی پُرانی شوخیاں عروج پر محسوس ہوں گی — اور آپ محسوس کریں گے — بیس سال پُرانے اشتیاق احمد کا ناول پڑھ رہے ہیں — جب آپ اچھی طرح مجھے جانتے بھی نہیں تھے —
- لیکن میں تو یہ بھی نہیں کہ سکتا کہ آپ اب بھی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں — لیجیے ایک اور غیر متعلق بات نکل آئی — پتا نہیں — ان غیر متعلق باتوں کو کیا ہے — نکل چلی آتی ہیں —
- حد ہو گئی — آپ کے پسندیدہ کردار کہیں مجھ پر بھی تو اثر انداز نہیں ہو رہے — بہتری اسی میں ہے کہ ان جھلکیوں کو یہیں ختم کر دوں —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت ۱۰ روپے

محمود، فارُوق، فرزانہ اور اِنسپکٹر جمشید سیریز ۵

اندھا انتقام

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک انوکھا ناول۔
- آپ یقیناً سوچ میں پڑ جائیں گے، انتقام اندھا بھی ہوتا ہے۔
- جی ہاں! کیوں نہیں۔ آپ کے کردار یہ بات ثابت کر دیں گے کہ انتقام اندھا ہی نہیں، لنگڑا اور لولا بھی ہو سکتا ہے۔
- شوخیوں اور مُسکراہٹوں سے بھرپُور ناول۔
- کیس کیا تھا، آپ دھک سے رہ جائیں گے۔
- نئے اور خوب صُورت سرورق کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت ۱۰ روپے

محمود، فارُوق، فرزانہ اور اِنسپکٹر جمشید سیریز ۶

سائے کی مَوت

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک اور اچھوتا ناول۔
- سائے کی موت۔ آپ کہ اُٹھیں گے۔ سائے کی موت کیسے ہو سکتی ہے۔
- یہ تو آپ ناول پڑھ کر ہی معلوم کر سکیں گے۔
- آخر میں جب مجرم آپ کے سامنے آئے گا تو آپ اچھل پڑیں گے۔
- آپ مدتوں اس ناول کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔
- حیرت سے لبریز۔
- نئے اور خوب صُورت سرورق کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت ۱۰ روپے

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۳

خوفناک منصوبہ

— مصنف : اشتیاق احمد —

- انسپکٹر کامران مرزا کو ایک خط موصول ہوا —
- خط ایک جزیرے سے انہیں لکھا گیا تھا —
- اس جزیرے پر سمندر کے عین کنارے پر ایک کنواں نما مکان میں ایک شخص قید تھا —
- خط اسی شخص نے لکھا تھا —
- وہ کون تھا، اسے کس نے قید کر رکھا تھا —
- انسپکٹر کامران مرزا کو خط کی تحریر جانی پہچانی محسوس ہوئی —
- اور پھر ایک حیرت انگیز کہانی شروع ہوتی ہے —
- مجرم کے چہرے سے جب نقاب اُٹھے گا تو آپ حیران رہ جائیں گے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت ۱۰ روپے

شوکی سیریز ۳

جعلی آدمی

— مصنف : اشتیاق احمد —

- آفتاب ان تینوں کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا —
- اس کی عجیب و غریب درخواست —
- جعلی چیزیں تو آپ نے دیکھی ہوں گی، جعلی آدمی سے بھی ملیے —
- وہ کون تھا —
- شوکی اور تینوں عجیب مشکل میں —
- جلالی نور سے کش مکش —
- حیرت سے لبریز اور قہقہوں کا طوفان لیے ایک بالکل نئے انداز کا ناول —

آئندہ خاص نمبر کی ابتدائی جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے | قیمت ۵۱ روپے

انتیسواں خاص نمبر

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

جیکان کی واپسی

مصنّف : اشتیاق احمد

- ○ اپنی نوعیت کا سب سے الگ تھلگ خاص نمبر —
- ○ مکمل جھلک آئندہ ماہ کے ناولوں میں ملاحظہ فرمائیں —
- ○ اس ماہ صرف چند خاص خاص جھلکیاں پیش ہیں :
- ○ ملک میں آخر کیا ہو رہا تھا — آپ چکرا کر رہ جائیں —

- ○ آپ ہی کیا — اس بار تو تینوں پارٹیاں مکمل طور پر گھن چکر بن گئیں ... اور کیوں نہ بنتیں — مقابلہ جو جیکان سے تھا —
- ○ جیکان — اس بار پوری تیاریوں کے بعد آیا تھا —
- ○ خاص نمبر آپ کو ایک نئی دُنیا کی سیر کراتا نظر آنے کا —
- ○ آپ کے کردار اس کیس کے دوران کس قدر بے بس کر دیے گئے — آپ سوچ بھی نہیں سکتے — اندازہ بھی نہیں لگا سکتے — اندازے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے — یہ میرا دعویٰ ہے —
- ○ آپ جانتے ہی ہیں — میں دعوے کرنے کا عادی نہیں — اور اگر کیا ہے تو پھر ضرور کسی بنیاد پر کیا ہوگا۔
- ○ وہ بنیاد کیا ہے ؟
- ○ یہی بات تو بتائی نہیں جا سکتی — جی ہاں ! خاص نمبر پڑھ کر ہی آپ جان سکیں گے —
- ○ اور پھر انھیں ایک سفر کرنا پڑا —
- ○ ان گنت حیرتیں —
- ○ بے شمار نئی دلچسپیاں —
- ○ ایک انوکھا اور ناقابلِ فراموش خاص نمبر —
- ○ ایک ایسا حیرت انگیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا منصوبہ، جس کے بارے میں پڑھتے ہوئے ہر لمحے آپ کا دل دھڑکے گا —